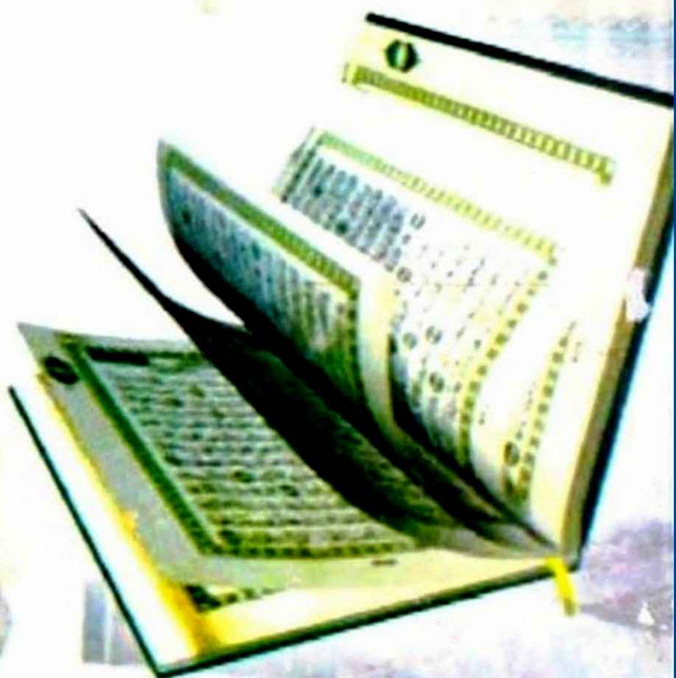
قرآن کریم کے انگریزی ترجموں کا

تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

متعلقات القرآن

١٩٨ د



ترجمہ

قمر شعبان ندوی

مجمع البحث العلمی۔ الهند

قرآن کریم کے انگریزی ترجموں کا

تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی



ترجمہ

قمر شعبان ندوی

پہلی اشاعت

۱۴۳۰/۲۰۰۹

نئی دہلی

قیمت: ۸۰

ملنے کا پتہ:

مکتبہ ابوالحسن علی

4182,Urdu Bazar,Jama Masjid,

Delhi-110006.Mob:09810926346

مترجم

09873885423

E-mail: sahebbaby@yahoo.com

مجمع البحث العلمی۔الہند

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از قلم: مولانا عبداللہ محمد الحسنی ندوی

استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

نائب ایڈیٹر جریدہ "الرائد" لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على عبده ورسوله محمد بن عبدالله الامين وعلى آله وصحبه اجمعين ! أما بعد

پیغمبر آخرالزماں رہبر انسانیت رحمت عالم اور ہمہ وقت امت اور انسانیت کی فکر کرنے والے محسن ورہنما حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سکھوائی، تاکہ یہود حقائق کو توڑ مروڑ کر اور صحیح بات کو چھپا نہ سکیں۔

یہ آپ ﷺ کی ایسی رہنمائی اور تعلیم تھی اگر مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ہوتا تو اسلام کو بدنام کرنے اور قرآنی تعلیمات کو اپنے ناقص فکر ونظر کے تناظر میں پیش کرنے کا ان دشمنان اسلام کو موقع نہ ملتا جو شروع ہی سے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے اور اسلام کی پٹری بھی اسی طرح تبدیل کر دینا چاہتے تھے جس طرح مسیحیت کے ساتھ وہ کر چکے تھے۔

مسلمانوں کے اہل علم اگر تمام علوم وفنون میں قیادت کا فریضہ انجام دیتے اور ان کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھتے تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی جس سے آج پوری انسانیت زار وزار ہے اور اپنی قسمت کو رورہی ہے، اس کے ایک گوشہ سے پردہ اٹھایا ہے حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے جنہوں نے مشرق ومغرب کے میکدہ دیکھے اور اپنوں کی کوتاہی دیکھی، اس کا نتیجہ دیکھا اور دوسری طرف ان کے علماء کی چالاکی وعیاری اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی کوتاہ نظری اور بیجا عصبیت دیکھی جس

نے ان کو انگریزی میں قرآن کے تراجم کا تنقیدی جائزہ لینے پر آمادہ کیا جس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صحیح الفکر اور صحیح العقیدہ علماء نے اس میدان میں کتنی کوتاہی اور سستی سے کام لیا ہے، شروع سے ہی یہودی و مسیحی مترجمین نے من مانے ترجمے کئے اور اس کے بعد ان حضرات نے جو عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ اور عملی اعتبار سے یوروپ کے بہی خواہ تھے، ترجمے کئے:

تغافل سے جو باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

آخری دور میں صحیح الفکر اہل قلم نے بیڑہ اٹھایا تو آوا کا آوا بگڑ چکا تھا، مغرب کا قوام سڑ چکا تھا اس لئے اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہ آسکے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اہل علم، علوم وفنون کے ہفت خواں کو سر کریں، اپنی کھوئی ہوئی میراث حاصل کریں اور انسانیت کو فلاح و کامیابی سے ہمکنار کریں۔

بڑی خوشی کی بات ہے عزیز القدر مولوی قمر شعبان ندوی نے مولاناؒ کی اس اہم کتاب کو خوش اسلوبی کے ساتھ اردو میں منتقل کر دیا ہے ضرورت ہے کہ اسکا انگریزی ترجمہ بھی ہو اور ان پڑھے لکھے لوگوں کے ہاتھ میں پہونچے جو انہی مراجع کو اصل سمجھ کر دین، قرآن اور رسول اللہ ﷺ سے بیگانہ ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالی حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ کے درجات بلند فرمائے جنہوں نے اپنی اس چشم کشا تحریر سے بہت سوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔

عبداللہ محمد الحسنی ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۱ر جولائی ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

زیرنظر کتاب ''قرآن کریم کے انگریزی ترجموں کا تنقیدی مطالعہ'' دراصل ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی عربی تصنیف ''ترجمات معانی القرآن الکریم، وتطور فہمہ عند الغرب'' کا اردو ترجمہ ہے، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا شماران عباقرۂ علم وفن میں ہوتا ہے جنہوں نے مختلف انداز سے علم وادِب کی خدمت کی ہے، آپ کا تعلق ہندوستان کے ایک مشہور علمی خانوادہ پھلواری شریف سے تھا، ابتدائی دینیات اور عربی وفارسی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار مفتی ابوالفضل محمد عباس سے حاصل کی، آپ کے والد کا شمار امارت شرعیہ کے اولین مفتیوں میں ہوتا تھا۔

تیرہ سال کی عمر میں لکھنو کا سفر کیا، اور مدرسہ قدیمیہ فرنگی محل لکھنو میں تین سال تک عربی صرف ونحو، منطق، فارسی اور ترجمۂ قرآن کا درس لیا، پھر عربی پنجم میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے باضابطہ طالب علم بنے جہاں علم وادب کے عالمی شہرت یافتہ اساتذہ سے استفادہ کا بھرپور موقع ملا، عربی نثری ادب اور تفسیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے حاصل کی۔ عربی شعری ادب اور دیگر علوم القرآن کی تعلیم استاذ محمد ناظم ندوی سے حاصل کی، آپ کے حدیث وفقہ کے اساتذہ میں مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، مفتی سعید احمد اعظمی ندوی اور شاہ حلیم عطا سلونی قابل ذکر ہیں۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد ادارۂ تعلیمات اسلامیہ لکھنو میں اور ہردوئی روڈ پر واقع رحیم آباد کے علاقہ میں زبان وادب اور قرآن وحدیث کی ضیاء پاشی کی، پھر

تقریباً گیارہ سالوں تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب و بلاغت علوم القرآن اور دوسرے موضوعات کی تدریس کا فریضہ انجام دیا، اور ادیب اول کے منصب پر فائز رہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی معیت میں ہندوستان اور بیرون ہندوغیرہ کے دعوتی اور تبلیغی اسفار کیے، حضرت مولانا الیاسؒ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، اور حضرت مولانا شیخ زکریاؒ سے کسب فیض کیا۔ ندوۃ العلماء کی گیارہ سالہ تدریسی خدمات کے بعد سعودی عرب میں پاکستانی سفارت خانہ، سعودی ریڈیو جدہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں ایک مترجم اور منتظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، دریں اثناء امریکن یونیورسٹی بیروت سے فاصلاتی کورس کے تحت ڈپلوما ان انگلش کلچر کی ڈگری حاصل کی اور کسی یوروپین یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گئے، لندن کا سفر بھی کیا بالآخر یونیورسٹی آف لیڈز سے لسانیات پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، مقالہ انگریزی زبان میں لکھا، ریسرچ کا عنوان تھا:

"A Study of Arabic Dialects of the Bilad Ghamid and Zahran, Region of Saudi Arabia on the Basis of Original Field Recording and An Examination of the Relationship to the Neighboring Regions'

وہاں سے سعودی عرب واپس آ کر رابطہ عالم اسلامی میں اپنی خدمات جاری رکھیں، ایک انگریزی مجلّہ "الرابطہ" کی ادارت فرمائی، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی اور ام القریٰ یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہوئے ریٹائر ہوئے۔

آپ کے استاذ محترم مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے تادم واپسیں ناظم تعلیمات رہے، دہلی سے ذکروفکر نام کا ایک

ماہنامہ جاری کیا، ''تعمیر حیات'' لکھنو میں آپ کے اداریئے مستقل شائع ہوتے رہے۔

مولانا دینی اور عصری علوم کی جامعیت کے ساتھ تسبیح ومناجات کا اعلی ذوق رکھتے تھے، عالم عرب اور عالم اسلام بلکہ عالمی پیمانہ پر رونما ہونے والے سیاسی وملی حوادث کا مکمل درک رکھتے تھے اور معروضی انداز میں قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ کے تجزیاتی مضامین قارئین کیلئے تشفی کا سامان ہوتے تھے۔

۲۰۰۶ء میں ایک طویل علالت کے بعد جدہ کے ایک اسپتال میں اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ مولانا کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، بڑے صاحبزادے سعد عبداللہ ۲۰۰۸ء میں دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے اپنے آبائی وطن پھلواری شریف میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردیں۔

مولانا نے قرآنیات، سیرت وسوانح، ادب ولسانیات، منطق، حدیث اور فقہ میں اپنی تصانیف چھوڑی ہیں۔

یہ کتاب جس کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے، قرآن کریم کے ان ترجموں اور تفاسیر کے تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ پر مشتمل ہے جو انگریزی زبان میں مستشرقین، قادیانیوں اور مسلم علماء کے قلم سے ہیں۔

یہ ایک لازوال حقیقت ہے کہ قرآن کریم دنیا کے ہر ہر فرد کے لئے ایک نظام حیات اور دستور زندگی ہے، کوئی بھی انسان قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنا آئیڈیل بنائے بغیر کامیابی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے اور نہ ہی گامزن رہ سکتا ہے۔

مختلف زمانوں کے اندر دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے اور

تفسیریں منظر عام پر آتی رہی ہیں، مسلمانوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے بھی قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے، ان کے مقاصد اس کے پس پردہ جو کچھ بھی رہے ہوں، مستشرقین کا مقصد یہ تھا کہ قرآنی تعلیمات کی آفاقیت اور ہمہ گیریت کو محدود و تنگ بنا کر پیش کریں تاکہ ان کے مذہب کے ماننے والے قرآن کی تعلیمات سے متأثر ہو کر اسلام کی طرف مائل نہ ہونے پائیں، قادیانیوں نے اپنے عقائد و نظریات کی تائید کے لئے معانی قرآن کو بگاڑ کر پیش کرنے میں اپنا زور صرف کیا، مسلم علماء نے حتی الامکان کوشش کی کہ قرآن کریم کی صحیح اور مناسب ترجمانی کے ساتھ ضروری تفسیر بھی بین الاقوامی زبان انگریزی میں پیش کر دی جائے، تاکہ انگریزی داں طبقہ تعلیمات قرآنیہ کے نور سے منور ہو کر صراط مستقیم پر ثابت قدم ہو جائیں، لیکن ان کوششوں کے باوجود تقاضۂ بشری کی بناء پر ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئیں، جو اگرچہ عقائد و نظریات کی غلطیاں نہیں تھیں، تاہم ہر صاحب بصیرت مسلم کے لئے ان سے بھی واقف ہونا ضروری تھا، اسی نظریہ کے تحت اس کتاب کے اندر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے مستشرقین، قادیانیوں اور مسلم علماء کے انگریزی ترجموں کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے، ہر ترجمہ پر ایک مختصر مگر جامع مضمون ہے، جس میں مترجم کا مختصر تعارف اور ترجمہ کے تاریخی پس منظر کے ساتھ اس کے خوب و ناخوب کو معروضی انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔

ناچیز مترجم کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی حیات اور علمی کارناموں پر ایم فل (M Phil) کا مقالہ لکھنے کا موقع ملا، ڈاکٹر صاحب کی تمام تصانیف نظر سے گزریں اور ان سے حتی الامکان استفادہ کی بھی توفیق نصیب ہوئی، آپ کی تصانیف عربی، انگریزی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں، زیر نظر کتاب

اصل میں عربی میں ہے اور بہت سے اہل علم ناواقف بھی ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ عام فہم اردو میں اس کا ترجمہ کردیا جائے، تاکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف مذاہب کے لوگوں نے قرآن کریم کے جو ترجمے کئے ہیں ان سے اردو داں طبقہ بھی واقف ہو سکے، اور دشمنان اسلام کی دشنام طرازیوں اور دسیسہ کاریوں کی ایک جھلک بھی ان کے سامنے آجائے اور اسلام کو قرآن کے ذریعہ بدنام کرنے اور اس کی وسعت وآفاقیت کو محدود و تنگ کرنے میں مستشرقین کا جو انداز ہے وہ بھی نمایاں ہو جائے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کوشش کو قبول فرما کر اس کا افادہ عام فرمائے۔ (آمین)

﴿وما ذلک علی اللہ بعزیز﴾

قمر شعبان ندوی

جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

۲۰۰۹/۶/۲۳ء

مقدمہ

مشتملات:

- پیش لفظ۔
- ترجمہ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔
- قرآن کریم کی انگریزی ترجمانی اور اس کی مشکلات۔
- قواعد کی رعایت۔
- اسماء۔

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على محمد بن عبدالله الذى أرسله الله رحمة للعالمين. وأنزل عليه كتابه الذى لايأيته الباطل من بين يديه ولامن خلفه تنزيل من حكيم حميد، أما بعد.

۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۵ء کو رابطہ عالم اسلامی کے ابتدائی دور میں اس کی طرف سے مجھے یہ ذمہ داری دی گئی کہ میں الحاج میتا رحمتہ اللہ علیہ نے جاپانی زبان میں قرآن کریم کا جو ترجمہ کیا ہے اس سلسلہ میں ان کی فہمائش کروں اور آیات قرآنیہ کے فہم و ادراک میں ان سے جو چوک ہو جائے انگریزی میں اس کی اصلاح کروں اور جہاں حذف و اضافہ مطلوب ہوں سن کر اس جانب بھی توجہ دوں۔ اس کے لئے میں نے شیخ عبداللہ یوسف علی کے ترجمۂ قرآن کو اپنا نمونہ بنایا۔ میں اس میں ہر آیت کا ترجمہ پڑھتا پھر الحاج میتا سے ان کی کی ہوئی تشریح سنتا۔ اس طور پر بہت ہی جلدی یہ واضح ہو گیا کہ عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ بھی غلطیوں سے خالی نہیں ہے۔ یہ ایک آزاد منظوم تشریحی ترجمہ ہے جس میں مترجم نے موسیقیت اور نغمگی کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کے الفاظ کی تقدیم و تاخیر کو اپنے لئے روا رکھا ہے۔ چنانچہ میں نے مسلم صحافی پروفیسر محمد مارماڈیوک پکتھال کے ترجمۂ قرآن کی طرف رجوع کیا جو اسلامی کلچرل سنٹر حیدرآباد اور انگریزی زبان کے ماہرین کی ایک ٹیم کی نگرانی میں مکمل ہوا ہے۔ یہ پہلا ترجمہ ہے جو نسل و ثقافت دونوں ہی اعتبار سے ایک انگریز مسلم مترجم کے قلم سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے شرف یاب فرمایا۔ میں نے دو سال آٹھ مہینوں تک الحاج عمر میتا کے ساتھ قرآن کریم کے ترجموں کی ورق گردانی کی، قدیم و جدید دونوں ہی طرح کے مفسرین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس جاپانی مترجم قرآن سے مباحثے ہوئے۔ وہ عمر دراز تھے، انگریزی زبان میں کوئی اونچا مقام بھی نہیں

رکھتے تھے، چنانچہ کبھی کبھی آیت کا مفہوم سمجھانے میں مجھے بڑی دقت پیش آجاتی تھی، کئی کئی تراجم وتفاسیر کی طرف رجوع کئے بغیر اہل سنت والجماعت کی تفسیر کے مطابق ان کو مطمئن کرنا مشکل کام تھا۔ اس طویل جدوجہد کے نتیجہ میں قرآن کریم کے مختلف النوع ترجموں کے مطالعہ کا تجربہ حاصل ہوا اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ مستشرقین کے ترجمۂ قرآن کا واحد مقصد ان لوگوں کے راستہ میں روڑے اٹکانا ہے جو کتاب اللہ کے ذریعہ اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان مستشرقین نے اپنے اعتبار سے معانی ومفاہیم کو بگاڑنے کی کوشش کی اور عربی زبان کے معمولی معمولی قواعد، ترکیب اور عربی مفردات سے تجاہل برتا اور انہوں نے ہند نژاد مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی فرقہ کے متبعین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عجیب وغریب گل کھلائے اور علامہ ابن تیمیہ کے بقول "قوم رأوا رأیا وحملوه علی القرآن"۔ (اپنی طرف سے کوئی رائے قائم کرلی اور اس کو قرآن پر تھوپ دیا) کے مترادف ثابت ہوئے۔

پھر میں نے ۱۳۹۰ھ کو اس موضوع پر اپنے مطالعہ کے نتائج شائع بھی کئے اور جب تک اس موضوع پر تحقیق جاری رہی مستقل علامہ محمد حمید اللہ حیدرآبادی (سابق پروفیسر اسلامک اسٹڈیز استنبول یونیورسٹی، جو عرصۂ دراز تک پیرس میں بحث وتحقیق میں مشغول رہے اور فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ بھی کیا) سے خط وکتابت جاری رہی اور تراجم قرآن کے موضوع پر ان کی آراء معلوم ہوئیں۔ اس طور پر میرے پاس اس موضوع پر بہت سے مقالات جمع ہو گئے اور ان کو درج ذیل طریقہ پر مرتب کرنا شروع کیا:

۱۔ مقدمہ میں چند نقطوں کی وضاحت کی، مثلاً ترجمۂ قرآن اور ترجمہ مُعانی قرآن کے درمیان کیا فرق ہے، مترجم، قرآن کریم کے معانی کا دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت کن مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی زبان اپنے الفاظ ومفردات کی وسعت میں دوسری زبانوں کے مقابلہ میں بے مثال ہے اور ان میں انگریزی زبان بھی شامل ہے۔ اس میں انگریزی زبان کے اس نحوی نقطہ کی

بھی وضاحت کر دی گئی ہے جو ترجمۂ قرآن میں استعمال ہوتا ہے اور بہت سے انگریزی داں اس کا خیال نہیں کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح اس میں انگریزی ترجموں کی مختصر تاریخ بھی میں نے پیش کر دی ہے کہ کب اور کس طور پر اور کیوں مستشرقین نے قرآن کریم کے ترجمہ کی طرف توجہ کی اور اس سے ان کا مقصد کیا تھا۔

۲۔ میں نے کتاب کو درج ذیل فصلوں میں تقسیم کیا:

۱۔ مشہور مستشرقین کے ترجمے۔

۲۔ قادیانیوں کے ترجمے۔

۳۔ مسلم اسکالرس کے ترجمے۔

۴۔ مسلم اسکالرس کی تفاسیر کے ترجمے۔

یعنی قرآن کریم کی عربی یا اردو زبانوں میں جو تفسیریں ہو چکی تھیں اور بعد میں انگریزی میں ترجمے ہوئے، ان کا مختصر جائزہ۔

واضح رہے کہ اس کتاب میں سارے ترجموں کا استیعاب مقصود نہیں ہے اور نہ ہی ان کی فہرست تیار کرنا مقصود ہے بلکہ اس میں قرآن کریم کے مشہور انگریزی ترجموں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ترجموں کی یہ تعداد ان جیسے دوسرے ترجموں سے واقف ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے کہ ایک ترجمہ اور دوسرے ترجمہ کے درمیان جو فرق نظر آتا ہے وہ محض فکر وعقیدہ کے اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اپنے مولی کی رحمت کا محتاج بندہ
عبداللہ عباس ندوی
مکہ مکرمہ، ۱۰ صفر ۱۴۱۷ھ

ترجمہ کے لغوی واصطلاحی معنی

قرآن کریم کے حرف بحرف ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ نظم قرآن کا کسی دوسری زبان میں مفردات، تراکیب، ترتیب اور اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طریقہ پر ترجمہ کیا جائے کہ یہ ترجمہ اصل عربی کے قائم مقام ثابت ہو سکے اور ان ساری خوبیوں کا بھی حامل ہو جو اصل نص قرآن کا جوہر ہیں۔ مثلاً محکم ومتشابہ معانی ومفاہیم اور دلوں پر ان معانی کے اعجاز و بلاغت کا اثر۔ اس نوعیت کا ترجمہ کرنا عقلی اور شرعی دونوں اعتبار سے ناممکن اور محال ہے۔ عقلی اعتبار سے اس لئے محال ہے کہ سائنٹفک تجربوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کسی زبان کو دوسری زبان میں اس طور پر منتقل کرنا کہ اس زبان کے معانی، تلمیحات، الفاظ کا عکس، تراکیب کے رموز و اشارات اور اسلوب و بیان کی خوبصورتی اور رونق یہ ساری چیزیں اس میں پائی جائیں۔ یہ انسانی زبان ہی میں ناممکن ہے تو کلام اللہ یہ کیسے میں ممکن ہوسکتا ہے جو ایک مکمل معجزہ ہے؟ کتنے عرب ادباء ہیں جنہوں نے شیکسپیئر کے ڈراموں کے ترجمے کئے، اور الف لیلہ ولیلۃ کے قصوں کے کتنے انگریزوں نے ترجمے کئے اور عرب اور مغربی ادباء نے خیام کی رباعیات کے کتنے ترجمے کئے، لیکن کیا ان ترجموں میں وہ جمال ہے جو اصل متن کا زیور و جوہر ہے؟ اور کیا ان میں معانی کا وہ حسن ہے جو اصل متن کی ترکیب اور بناوٹ اور جملہ میں الفاظ کے موزوں استعمال کی وجہ سے جھلکتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی علامات تعجب اور علامات وقف جو عمیق معانی پیدا کرتی ہیں، کیا ترجمہ کسی بھی صورت میں ان کا حامل ہوسکتا ہے؟ اور شرعی اعتبار سے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ حرف بہ حرف ترجمہ کے معنی ہوئے: الإتيان بقرآن مماثل بلغة أخرى. کسی مماثل قرآن کا دوسری زبان میں پیش کرنا اور یہ ایسا ہفت خواں ہے کہ انسان اور جنات دونوں مل کر بھی اس کو سر نہیں کر سکتے۔

اور بے مثل حرف بہ حرف ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی زبان کو دوسری زبان میں مترجم اپنی صلاحیت اور زبان کی وسعت کے اعتبار سے منتقل کردے، تو یہ انسانی زبان میں ممکن ہے اور قوموں کی تاریخ میں اس کی شہادت بھی ملتی ہے۔ چنانچہ سائنس اور ادب ولٹریچر میں ہزاروں کتابیں اور مقالات کے ترجمے ایک زبان سے دوسری زبان میں ہوچکے ہیں اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور کوئی بھی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر قوم ان ترجموں کے استفادہ سے مستغنی نہیں ہوسکتی۔ رہی بات قرآن کریم کے بے مثل ترجمہ کی تو اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے قرآن کی بلاغت کی پامالی اور اسکے نظم کی بے ادبی لازم آتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا ایک محال کام ہے۔ چنانچہ اس میں کچھ مزید باتوں کا بتنگڑ بنانا اور دلیل آرائی کرنا تحصیل حاصل کے مرادف ہے۔
اور صرف ہم ہی لوگ نہیں ہیں جو اس حقیقت کو جانتے ہیں بلکہ پہلے بھی بہت سے لوگوں نے اس مشکل کو محسوس کیا حتیٰ کہ بہت سے مستشرقین کے سامنے بھی یہ راز کھلا اور انہوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً پروفیسر آربری، سابق صدر شعبۂ اسلامک وعربک اسٹڈیز، کیمبرج یونیورسٹی نے اپنے ترجمۂ قرآن کا نام رکھا ہے:

"The Koran Interpreted"

یعنی قرآن کی ترجمانی۔ اس ترجمہ کے ناشر کا کہنا ہے کہ:

"Professor Arberry in calling this work "The Koran Interpreted" concedes the point that no fully and adequate translation of the Koran is possible"(۱)

یعنی پروفیسر آربری نے اپنے ترجمہ کا یہ نام رکھ کر اس حقیقت کا اعتراف کیا

(۱) ملاحظہ ہو تفسیر کے غلاف کا اندرونی صفحہ، طبع نیویورک ۱۹۶۲ء۔

ہے کہ قرآن کا ایسا ترجمہ کرنا جو ہمہ جہت ہو ناممکن ہے۔

Interpretation, Rendering, Traslation

ان الفاظ کے درمیان باریک سا فرق ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے معنیٰ میں ان کا استعمال ہوتا ہے۔(۱)

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آکسفورڈ ڈکشنری یا برٹانیکا کلاں۔

ترجمۂ معانی قرآن کریم کا مفہوم

ترجمۂ معانی قرآن کریم کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی زبان میں قرآن کی مختصر تفسیر کردی جائے جس کو تفسیری ترجمہ کہا جاتا ہے(۱)۔اس کا مطلب ہے مترجم کی صلاحیت اور زبان کی وسعت کے اعتبار سے اصل اسلوب اور پورے مطلوب معانی کی پابندی کئے بغیر آیات قرآنیہ کے مفہوم و مدلول کو کسی دوسری زبان میں منتقل کردیا جائے۔ بہت سے لوگ ترجمۂ قرآن اور ترجمۂ معانی قرآن کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نقطہ کی تھوڑی وضاحت کردی جائے۔

علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے دو مقاصد ہیں:

پہلا: تاکہ یہ، رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف سے جس چیز کی بھی تبلیغ کرتے ہیں اس کی تصدیق کرے، اس لئے کہ قرآن کریم بنی نوع انسان کے لئے ایک معجزہ ہے۔

دوسرا: لوگوں کو اس راہ پر گامزن کرنا جس میں ان کی دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے کامیابی ہے اور یہ کہ قرآن کریم انفرادی اور اجتماعی طور پر ایک مکمل دستور زندگی ہے۔

جہاں تک پہلے مقصد (یعنی قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و سچائی کی دلیل ہے) کا تعلق ہے تو اس کی تکمیل ترجمہ سے ناممکن ہے، چاہے ترجمہ کتنا ہی ٹھوس ہو۔قرآن کے اعجاز کا انحصار اگرچہ غیب کی باتوں سے باخبر کرنے اور ایک ایسی شریعت کے پیش کرنے پر ہے جس میں نقص کا کوئی شائبہ تک نہ ہو۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے اعجاز کا ایک اہم پہلو اس کی آیات کے اندر بلاغت کی خوبیاں ہیں جن کے کچھ خاص تقاضے ہیں جو علی الاطلاق دوسری زبانوں میں منتقل نہیں ہو سکتے ہیں۔ ترقی یافتہ زبانوں کی چاہے کوئی بلاغت ہو، لیکن ہر زبان کی اپنی الگ الگ خاصیت ہوتی ہے جو ہر زبان میں یکساں طور پر نہیں پائی جا سکتی اور اگر قرآن کا حرف بحرف ترجمہ کردیا

الذھبی: التفسیر والمفسرون

جائے (جومحال ہے) تو قرآنی بلاغت کی خوبیاں بالکل جاتی رہیں گی۔ ''دوسری زبانوں میں عربی زبان کی بلاغت کی ایک اہم انفرادیت ایجاز واختصار کی ندرت ہے جوقرآن کی بلاغت میں اعجاز کی اونچی چوٹی تک پہونچی ہوئی ہے''(۱)۔قرآن کے جامع و مختصر الفاظ کے معانی کی ادائیگی لفظی ترجمہ سے ناممکن ہے۔

رہی بات دوسرے مقصد کی (کہ قرآن اسلامی شریعت کا بنیادی مأخذ، سوسائٹی کے لئے نظام زندگی اور دنیا وآخرت میں لوگوں کوصلاح وسعادتمندی کی راہ پر گامزن کرنے والا رہبرورہنما ہے) تو اس کا تعلق اصل معانی ومطالب سے ہے جن کا سمجھنا اور سمجھانا ہر ایک کے بس میں ہے اور ہرزبان کے پاس اس کی صلاحیت ہے۔تو اس قسم کے معنی ومفہوم کا ترجمہ کرنا ممکن ہے حتیٰ کہ مسلمانوں میں سے جوعربی نہیں جانتے وہ بھی مستفید ہوں گے۔

(محمد اسد: مقدمہ ترجمۃ معانی القرآن، ص:۱۸، The Hague, 1964 P)

مسلمانوں کو قرآن کے ترجموں کی ضرورت

قرآن کریم ایک رہنما، نظام زندگی اور اسلامی شریعت کا بنیادی مأخذ ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک ایسی مقدس کتاب ہے جس کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اس کی تلاوت عبادت ہے، اس کے ذریعہ شفا مانگنا درست اور جائز ہے۔ دنیا کے مسلمان عرب ہوں یا عجم، ہر گھڑی اور ہر لمحہ ثواب و جزاء کی نیت سے عبادت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی امید میں اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ چاہے مطلب سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ان میں بے شمار ایسے بھی ہیں جو کلام اللہ شریف میں تدبر کرنا چاہتے ہیں اور اس کے مفہوم کو بھی جاننا چاہتے ہیں لیکن وہ عربی نہیں جانتے تو ایسے لوگوں کے سامنے دو ہی راستے ہیں:

۱۔ عربی زبان سیکھیں، صرف، نحو اور بلاغت کی کتابیں پڑھیں اور عربی زبان کی روح کو سمجھیں تاکہ قرآن کریم کا بلا واسطہ اور کسی ترجمہ کی مدد کے بغیر سمجھ کر مطالعہ کر سکیں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان کی زبان میں کسی صاحب تقویٰ عالم کا ترجمۂ قرآن مہیا ہو تو اس کی مدد سے مطالعہ کریں۔

پہلی صورت یعنی عربی زبان کو سیکھنا تو حقیقت کی دنیا میں پھیلے ہوئے امت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے کوئی آسان کام نہیں ہے اور ان میں سے جس کو حوصلہ بھی ہوا اور اس نے عربی سیکھ بھی لی، تو اس کے لئے عربی کے اس بلند معیار تک پہونچنا غیر متوقع ہے کہ جس سے اعجاز قرآن کے سارے پہلوؤں سے آشنا ہو سکے اور اسلوب و بیان کی حلاوت بھی اس کو محسوس ہو، جس کے ادراک سے عرب نژاد بھی قاصر ہیں، البتہ جنہوں نے قرآن کریم اور اس کے ادب و بلاغت کی طرف خاص توجہ کی ہے صرف وہی ہیں جو اس سے واقف ہیں۔ چنانچہ یہ ضخیم تفسیر کی کتابیں، اعجاز قرآن اور وجوہ اعجاز پہ سینکڑوں کی

تعداد میں مقالے اور کتابیں، سب سے بڑی دلیل ہیں کہ وہ عربی النسل مسلمان جس نے بچپن ہی سے اس زبان کو سیکھا ہے اور اس کے خوب و ناخوب سے بھی واقف ہے اس کے باوجود کبھی کبھی بہت سی آیتوں کے اصل مفہوم کو سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ چہ جائے کہ بلاغت قرآن اور وجوہ اعجاز قرآن کا درک حاصل ہو۔ ظاہر ہے جس نے عربی ماحول میں عربی زبان نہیں سیکھی ہے، اس سے اس کی توقع کرنا بے سود ہے۔ مگر اس کی وجہ سے ہم سارے مسلمانوں کو عربی زبان کی تعلیم کی طرف آمادہ کرنے سے نہیں روکنا چاہتے ہیں بلکہ ان کو ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے ملکوں میں عربی زبان کو سرکاری زبان بنائیں اور ہر مسلم بچہ پر اس کا سیکھنا لازم کریں۔ یہاں تک کہ وہ دن بھی آئے کہ مسلمان کو ترجمہ کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔

جہاں تک دوسری صورت (یعنی ترجمہ کی مدد کی ضرورت) کا تعلق ہے، تو وہ اس لئے ہے تا کہ وہ مسلمان جو عربی زبان سے نابلد ہیں، وہ بھی قرآن کریم کو ڈائرکٹ سمجھ سکیں۔ اس میں امر و نہی، حلال و حرام، توحید و شرک، ناشکرہ قوموں کے حالات، جن کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کا مزہ چکھایا، نیکو کاروں کے ثواب، جنت کے وعدے، کافر، کفار و مجرمین کے لئے عذاب اور جہنم کے وعدوں کے تذکرے، اور کس طرح قرآن نے کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ کی حکیمانہ انداز میں مخالفت کی ہے، ان ساری چیزوں سے واقف ہو سکیں۔ چنانچہ اگر مسلمانوں پر ترجموں کی مدد سے قرآن کریم کو سمجھنے کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ تاریکی و ناداتی میں پڑ جائیں گے۔

ترجمۂ قرآن سے غفلت اور مسلمانوں کی تباہ کاری

نمبر ۱: اگر مسلمانوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے میں غفلت برتی تو وہ دن دور نہیں کہ وہ بہت سی جگہوں میں ایک بے بنیاد اور کھوکھلی قوم بن کر رہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم ان کے ہاتھوں میں ایک برکت کی، اس کے چومنے اور سر آنکھوں سے لگانے کی کتاب تو ضرور ہوگی، مگر اس کو سمجھ پانا ناممکن ہوگا۔ اور یہ کتاب جس نے تاریخ کا رخ بدل کر رکھ دیا اور دنیا کو خیر سگالی اور صلح وصفائی سے روشناس کرایا، اس کے معانی کو سمجھنے کا دروازہ بہت سی قوموں کے لئے بند ہو جائے گا اور یہ ظلم وزیادتی کی انتہا ہے۔ وہ آفاقی دین جس کو رب دو جہاں کے ایک پیغمبر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے لے کر آئے تھے، اس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

نمبر ۲: دنیا کی دسیوں زبانوں میں قرآن کریم کے سینکڑوں ترجمے موجود ہیں جو اسلام وقرآن کے دشمن مستشرقین نے کئے ہیں اور ان میں ترجمہ کے نام پر من چاہی خرافات بھر رکھی ہیں اور قرآن کی طرف انہیں منسوب کر رکھا ہے۔ اگر مسلمانوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا بند کر دیا تو دشمنان اسلام کے لئے یہ میدان خالی ہو جائے گا اور ہماری خاموشی ان کے ترجموں کی صحت وشان کی دلیل سمجھی جائے گی اور جب ہم ان کو محض اپنی تنقید کا نشانہ بنائیں گے تو اہل علم کو کہنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا کہ تم لوگ کوئی صحیح ترجمہ کیوں نہیں پیش کرتے۔

نمبر ۳: دشمنان اسلام نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کتنی ہی کوششیں کی ہیں کہ اسلام محض ایک علاقائی مذہب ہے جو جزیرۃ العرب کی اصلاح کے لئے آیا تھا اور بعد میں اس کوشش کی جدید کاری ہوئی ہے۔ اگرچہ اس نظریہ کی بنیاد سولہویں صدی میں مستشرقین نے ڈالی تھی، لیکن آج تک ہماری مشرقی دنیا میں اس کی صدا گونج رہی ہے اور اس نظریہ کے پیچھے بہت سے دماغ آج بھی کام کر رہے ہیں۔ جب ہم قرآن

کریم کا ترجمہ کرنے میں کوتاہی کریں گے تو ہم ہی تخریبی تحریکوں کے مؤید سمجھے جائیں گے جن تحریکوں کی کوشش ہے کہ اسلام کی بنیادوں کو ڈھا کر رکھ دیا جائے اور اس کی آفاقیت و ہمہ گیریت کو سائنس و تحقیق کے نام پر تنگ کر دیا جائے۔

ترجمۂ قرآن کی مشکلات

سب سے بڑی مشکل جس سے مترجم قرآن دو چار ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ و تعبیرات کے مکمل مفہوم کی ترجمانی ہو سکے اور یہ کام کچھ وجوہات کی بنا پر کبھی کبھی مشکل ہو جاتا ہے جیسے:

(الف) انگریزی زبان میں جملوں کی ترکیب و بناوٹ کے اصول عربی زبان کی ترکیب سے بالکل ہی الگ ہیں۔ چنانچہ مترجم کے لئے ممکن نہیں ہے کہ فعل کی جگہ فعل اور اسم کی جگہ اسم رکھ سکے، اور حروف جر وغیرہ کو اصل متن کے مطابق ترجمہ میں لا سکے۔ اگر ایسا کیا تو معنی کچھ سے کچھ ہو کر رہ جائیں گے۔ لہٰذا وہ فاعل کو فعل پر مقدم کرنے پر مجبور ہوتا ہے جیسا کہ انگریزی میں جملہ کی ترکیب کا قاعدہ ہے۔

(ب) اگر مسئلہ اتنا ہی ہوتا کہ عربی میں جملہ فعلیہ فعل سے اور انگریزی میں اسم سے شروع ہوتا ہے تو کوئی اہم بات نہ تھی۔ مشکل تو اس وقت پیش آتی ہے کہ جب ایک خاص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے تقدیم و تاخیر ضروری ہو جاتی ہے۔ مثلاً اس آیت کے ترجمہ کو لیجئے: ''اِیاک نعبد و اِیاک نستعین'' (الفاتحہ:۵)

جب اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو مفہوم ہوتا ہے ''ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں''۔ جیسا کہ مارجلیوتھ نے کیا ہے۔

"I worship Thee and seek assistance of Thine"

اور اس کو اپنے ترجمہ میں دقیقہ سنجی کا دعویٰ بھی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں مفہوم ہی الگ ہے اور قاری صحیح معنی تک پہونچنے سے قاصر بھی ہے۔ اس کے صحیح معنی ہوں گے:

"Thee alone do we worship and of Thee alone

we seek help".

(ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔)

(ج) لیکن یہ بھی کوئی ایسی مشکل نہیں ہے جس کا حل نہ ہو۔ اصل مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب مترجم ترجمہ میں دقت و باریک بینی ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور انگریزی زبان کے ذخیرے میں اس کے لئے مناسب اور برمحل تعبیر اور الفاظ ان کو نہیں مل پاتے۔ ذیل میں مثال کے طور پر کچھ افعال پیش کئے جاتے ہیں جن کی مثال انگریزی میں نہیں پائی جاتی ہے۔

أمات، طغى، منّ، أبطل، أسرف، استوى، صدق، بخل

اکثر افعال مزید فیہ کے ہیں جو متعدی ہیں۔

ایسے موقع پر ترجمہ نگار صحیح مفہوم کی وضاحت کے لئے کوئی دوسرا فعل اضافہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو اس سے پہلے آتا ہے۔ وہ اس طور پر ''صدق'' کا ترجمہ (is truthful)، ''یستوی'' کا (is equal)، ''یسرف'' کا (is extravagant)، ''یبطل'' کا (makes vain) یا (renders void)، ''منّ'' (conferred a benefit)، بطغی کا (is exorbitant)، ''یمیت'' کا (causes death) کرتا ہے۔ اس طور پر ہم کو بہت سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ الا یہ کہ ان کا ترجمہ اضافی الفاظ سے کیا جائے جو عربی الفاظ کی حقیقی تفہیم و تشریح کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ ''صدق فلان'' اور ''فلان صادق'' کے درمیان کا فرق بالکل واضح ہے۔ اول الذکر سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ فلاں نے جو بھی بات کہی سچ کہی۔ رہی بات ''فلان صادق'' کی تو اس میں آپ ایک دائمی صفت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس بات سے صرف نظر کہ جس

میں وہ سچا ہے۔

(د) اسی نوع کی ایک چیز عربی میں فعل مضارع ہے جو زمانہ حال و استقبال پر دلالت کرتا ہے۔دوسری زبانوں میں جن میں انگریزی زبان بھی شامل ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یا تو ان میں حال ہوگا یا استقبال۔اس وجہ سے آپ کو ہزاروں ایسے عربی الفاظ ملیں گے جن کا عربی ترجمہ نامکمل ہے۔الا یہ کہ ان میں ایسے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہو جو وقوع فعل کے زمانہ کی تعین کرتے ہوں۔

(س) جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ ضمائر وافعال کے اندر تثنیہ کے وجود میں عربی زبان منفرد ہے۔اس کی وجہ سے جب مترجم امانت کے ساتھ ترجمہ کرنا چاہے تو وہ ایسا لفظ اضافہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو تثنیہ کے مفہوم کو ادا کرتا ہو۔ چنانچہ وہ ''اذھبا'' کا ترجمہ کرتا ہے (You twain go)۔

(ش) عربی میں اسم فاعل کے بہت سے صیغے پائے جاتے ہیں جو انگریزی میں بہت تھوڑے ہیں۔آپ عربی میں فاعل کے بہت سے اوزان پاتے ہیں، مثلاً مشرقون، مستأخرون، مستقدمون، قانتون، معجزون، مفلحون، آخرون، صادقون، شاکرون، متقون . آپ ان اوزان کی نظیر انگریزی میں تلاش کریں، یہ بے سود ہے۔انگریزی زبان کے اندر اتنی وسعت نہیں ہے کہ الفاظ کا اضافہ کئے بغیر ان کا مکمل مفہوم ادا ہو سکے۔ چنانچہ آپ ''مؤمنون حقاً'' کا ترجمہ اس طور پر کرتے ہیں: (Those who are men of faith in right order)

(ص) عربی زبان دنیا کی زبانوں میں الفاظ تاکید کے وجود کے ذریعہ بھی ممتاز و نمایاں نظر آتی ہے جو ان حروف تاکید کے اضافہ کے بعد ہوتا ہے۔مثلاً ''انا نحن نحي الموتی. ''(یس:١٢)،و''انا نحن نحي و نميت . ''(ق:

۴۳)، وٌ"انّا نحن نزلنا الذکر۔ "(الحجر:۹)

کیا دنیا کی کسی زبان کے اندر وسعت ہے جس میں ان آیات کے اندر چھپے ہوئے تاکیدی پہلوؤں اور چھپی ہوئی قوت کو منتقل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہو؟ کیا یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے جب ان آیات کو اس طور پر ترجمہ کیا جائے Surely, We, We, We,

(ی) قرآن کریم کی زبان میں ایسے بہت سے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کے معنی معمولی سے فرق کے ساتھ بہت ہی قریب قریب ہیں۔ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی اپنی کتاب "بیان اعجاز القرآن "میں لکھتے ہیں: بہت سے لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ "متقارب المعنی الفاظ" معنائے مرادی کو ادا کرنے میں مساوی ہیں، جیسے علم اور اسم معرفہ، حمد اور شکر، بخل اور شح، نعت اور صفت، (آپ کے بقول اقصد اور اجلس، بلی اور نعم، ذلک اور ذاک، من اور عن وغیرہ وغیرہ جس میں اسماء افعال، حروف اور صفات سب شامل ہیں۔) سچی بات تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر لفظ کی اپنی الگ خاصیت ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ دوسرے الفاظ سے اپنے بعض معنوی پہلوؤں میں ممتاز ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض معنوں میں دونوں مشترک بھی ہوتے ہیں، آپ کہتے ہیں "عرفت الشئ وعلمته "جب اس چیز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کے ذریعہ جہل و لاعلمی کا ازالہ ہو جائے۔ لیکن "عرفت" کو صرف ایک مفعول مطلوب ہوتا ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں: "عرفت زیداً" میں نے زید کو پہچان لیا۔ اور "علمت" کو دو مفاعیل کی ضرورت ہے۔ مثلاً: علمت زیداً عاقلاً، میں نے زید کو ایک عقلمند کی حیثیت سے جانا۔ یہی وجہ ہے کہ "معرفت" کا لفظ خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بتلانے اور اللہ کی ذات کو ثابت

کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کہتے ہیں ''عرفت اللہ'' یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ''علمت اللہ''۔ ہاں جب اس کے ساتھ کسی صفت کو لایا جائے تو پھر اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے ''علمت اللہ قادراً وعلمتہ عدلاً''۔

اس انداز سے خطابی، رحمہ اللہ نے متقارب المعنی الفاظ کے درمیان کے فرق کو واضح کیا ہے۔ اب ہم قرآن کریم کے مترجمین کو دیکھتے ہیں اور کسی لفظ کے بالمقابل کسی لفظ کو اختیار کرنے میں ان کی مشکلات پر بھی غور کرتے ہیں جب کہ ان کی زبان میں اس لفظ کا کوئی ہم معنی یا مرادف موجود نہ ہو۔ درج ذیل الفاظ سے اس بات کی وضاحت ممکن ہے: خوف، خشیت، اشفاق، ترہیب اور تقویٰ، اور: جان، حیۃ، ثعبان، اسی طرح: قادر، قدیر اور مقتدر۔ اور کچھ ایسا ہی فرق رحمٰن ورحیم کے معنی میں ہے۔ اگرچہ مترجمین نے اس بات کی مکمل کوشش کی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت ایسا لفظ استعمال کریں جو معنی میں متقارب ہو لیکن یہ ان کی استطاعت سے باہر ہے کیونکہ اس کا تعلق ان کی زبان سے ہے جس میں ان الفاظ کے معانی بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ ہم یہاں اس کی ایک مثال پر اپنی بات ختم کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انگریزی لفظ تقویٰ کے صحیح مدلول ومفہوم کی تلاش میں کیسے سر پیر مارتے ہیں۔ درج ذیل الفاظ مترجمین نے تقویٰ کے معنی کو بتلانے کے لئے استعمال کئے ہیں:

God fearing

God conscious

Righteousness

Dutiful to God

Restraint from evil

Self-restraint

Fearfulness

اس طور پر ہر مترجم اپنے فہم وادراک کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرتا ہے اور یہ ایسا باب (Chapter) ہے جو بہت ہی طول، طویل اور تفصیل طلب ہے۔ یہاں میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

ترجمہ میں انگریزی زبان کے قواعد کی رعایت

قرآن کریم کے اکثر و بیشتر انگریزی مترجمین نے ضمائر اور متعلقات فعل کے استعمال کو ترجیح دی ہے جو کہ شعر اور انجیلوں کے ترجمہ میں مفرد اور جمع کے درمیان فصل کرنے کے لئے رائج ہیں، بعض غیر انگریزی داں اسکالرس کی نظر میں یہ ایک قسم کا تکلف ہے جس کی وضاحت ناممکن ہے جب کہ بہت سی ضمائر، متعلقات فعل اور فعل حاضر اور استفہام کے درمیان فرق کرنے والی ایسی علامات لکھی جاتی ہیں جن کا انگریزی زبان میں کوئی وجود نہیں ہے۔ شعر کے علاوہ انگریزی زبان کے اندر غیر مستعمل ضمائر کے استعمال کی وضاحت کے سلسلہ میں کہنا چاہوں گا کہ:

''کتب مقدسہ، اور اہم دستاویزات کے ترجموں میں یہ ایک تقلیدی امر ہے۔ جہاں باریک بینی، امانت اور صیغوں کے درمیان کسی التباس کا نہ ہونا مقصود و مطلوب ہوتا ہے چنانچہ سیاق کا اعتبار کئے بغیر فاعل، مفعول، مفرد اور جمع کی خاص ضمائر استعمال کی جاتی ہیں تا کہ ترجمہ اور نص اصلی کے درمیان مطابقت پائی جائے''۔

اس نقطہ کی مزید وضاحت درج ذیل مثالوں سے ممکن ہے:

علاقائی انگریزی زبان کا انحصار مفرد و جمع اور فاعل و مفعول کے درمیان مشترک ضمیر کے استعمال پر ہے۔ جب ان کو یہ کہنا ہو: ''أنت قلت '' (تو نے کہا) یا ''أنتم قلتم '' (تم لوگوں نے کہا) یا ''فلان قال لک '' (فلاں ایک مرد نے تجھ سے کہا) یا ''قال لکم '' (اس ایک مذکر نے آپ لوگوں سے کہا) ایسی صورت میں ضمیر مخاطب you سب کے درمیان مشترک ہوتا ہے چنانچہ ان کا ترجمہ آپ یوں کرتے ہیں (He said to you) اور (you said) لیکن لفظ کے معنی کو مکمل طور پر ادا کرنے اور ترجمہ کو ٹھوس بنانے کے لئے ترجمہ نگار ایسی ضمائر کا استعمال کرتا ہے جن میں کوئی التباس و اشتراک نہ پائے جائیں۔ درج ذیل آیات اور ان کے

ترجمہ پرغور کریں:

''وإذ قال الله يا عيسى ابن مريم. أ أنت قلت للناس اتخذوني و أمي إلهين من دون الله.''(المائدة:١١٦)۔دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'أ أنتم أشد خلقاً أم السماء بناها.''(النازعات:٢٧)

ان میں اَنت (تو، ایک مذکر مخاطب) اور اَنتم (تم لوگ، جمع مذکر مخاطب) کے درمیان فرق کرنے کے لئے مترجم یوسف عبداللہ یوسف علی پہلی آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:(Didst thou say)

دوسری آیت کا ترجمہ اس طور پر کرتے ہیں: (are ye the more difficult)

مفرد فاعل کی ضمیر (thou) اور جمع فاعل کی ضمیر (ye) نص کے مطابق ہے۔

ضمیر مفرد مفعول کی ان آیتوں میں دیکھئے:

''عفا الله عنک لم أذنت لهم، حتى يتبين لک الذين صدقوا و تعلم الكاذبين.''(التوبہ:٤٣)

اور ضمیر جمع مفعول کی مثال دوسری آیت میں واضح ہے:

''ولقد عفا عنكم والله ذو فضل على المؤمنين ''(آل عمران:١٥٢)

مترجم کے لئے ایک طرف ضروری تھا کہ مفرد و جمع کے درمیان فرق کرتا اور دوسری طرف فاعل و مفعول کی ضمیر کے درمیان بھی فرق کرتا۔ چنانچہ پہلی آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"God give THEE grace; why didst thou grant them exemption until those who told the truth were seen by thee in a clear light and thou hadst proved the liars".

دوسری آیت میں ترجمہ نگار نے ہرایک کے لئے ضمیر جمع مفعول استعمال کیا ہے:

"But He forgave you for God is full of grace to those who forgive".

جہاں حروف زوائد کی بات ہے جو فعل حاضر کی علامت کے طور پر آتے ہیں، مثلاً doeth eth ,"S" کی جگہ پر جن کا استعمال فعل کے اندر غائب کے مفرد صیغہ میں فعل حال کے معنی پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ مثل: Does اس طرح st کا اضافہ جو has, will, shall اور do کے ماضی کے لئے had, would, should, did کی جگہ پر مستعمل ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: wouldst, shouldst, didst اور hadst۔ ایسا محض اناجیل کے مترجمین کی تقلید میں قرآن کریم کے تقدس وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے جو کتب مقدسہ کی طرح عظمت و تقدس کا مستحق ہے لیکن دوسرے مترجمین (جیسے آربری) ان زوائد کا استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اسی طرح استاذ محمد اسد نے بھی کیا ہے۔ یہ حضرات زائد چیزوں کو نہیں لاتے، محض مفرد و جمع کی ضمائر کا استعمال کرتے ہیں۔

اَسماء

قرآن کریم کے اندر آئے ہوئے اَسماء مثلاً آدم، الیسع اور "یہ ب عام طور پر لاطینی زبان میں لکھے جاتے ہیں جیسا کہ اناجیل میں وارد ہوئے ہیں جنہیں (Biblical) کہا جاتا ہے، اور یہ بولنے اور لکھنے دونوں ہی میں عربی سے الگ تھلگ ہیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مسلم مترجمین نے بھی ان اسماء کو لکھنے میں مستشرقین کی تقلید کی ہے۔ بجز مفسر قرآن مولانا دریابادی رحمتہ اللہ علیہ کے، انہوں نے اپنی انگریزی تفسیر کے اندر ان اسماء کو عربی تلفظ کے اعتبار سے لکھنے کو ترجیح دی ہے۔ ذیل میں وقرآن واناجیل کے تلفظ کے اعتبار سے ان اسماء کی ایک فہرست دی جاتی ہے:

اَسماء (عربی تلفظ)	لاطینی تلفظ	اَناجیل کا استعمال
آدم	Adam	Adam
الیسع	Al-Yasha	Elisha
ایوب	Ayyub	Job
بابل	Babil	Babel
داوٗد	Dawud	David
عیسیٰ	Esa	Jesus
فرعون	Fir'won	Pharaoh
ہارون	Harun	Aaron
ابراہیم	Ibrahim	Abraham
عمران	Imran	Amran
الیاس	Ilyas	Elias

Gospel	Injil	انجیل
Isaac	Ishaq	اسحاق
Ishmael	Ismail	اسماعیل
Goliath	Jalut	جالوت
Gabriel	Gibril	جبرئیل
Lot	Lut	لوط
Egypt	Misr	مصر
Magog	Majuj	ماجوج
Mary	Maryam	مریم
Michael	Mikal	میکایل
Moses	Musa	موسیٰ
Noah	Nuh	نوح
Koran	Quran	قرآن
Sheba	Saba	شیبا
solomon	Sulaiman	سلیمان
Saul	Talut	طالوت
Torah	Taurat	تورات
Ezra	Uzair	عزیز
Gog	Yajuj	یاجوج
Jacob	Ya"qub	یعقوب

Jew	Yahudi	یہودی
John	Yahya	یحیٰ
Jonah	Yunus	یونس
Zacharias	zakariyya	زکریا

پہلی فصل

یوروپی زبان میں ترجمۂ قرآن کی تاریخ

مشتملات:

- مستشرقین کے ترجموں پر ایک عام نظر
- یوروپی زبان کا پہلا ترجمہ
- انگریزی زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ
- جورج سیل کا ترجمہ
- روڈویل کا ترجمہ
- پالمر کا ترجمہ
- پادری وھیری کا ترجمہ
- رچرڈ بیل کا ترجمہ
- آربری کا ترجمہ
- ن.ج.داؤد کا ترجمہ
- مستشرقین کے قلم سے قرآن کے متفرق سیپاروں کے ترجمے

یوروپی زبانوں میں ترجمۂ قرآن کریم کی تاریخ

چھٹی صدی عیسوی میں طلوع اسلام کے وقت یورپ جہالت و نادانی کی تاریک بھول بھلیوں میں گم تھا اور صلیبی جنگوں سے قبل ان تمام صدیوں میں مشرق عربی کی دینی و مذہبی ترقیوں سے بھی وہ مستقل ناواقف تھا۔[۱]۔ تاریخ عالم میں پہلی بار سرزمین فلسطین کے اندر اہل مغرب کا عرب مسلمانوں سے واسطہ ہوا[۲]۔ اور ان کو معلوم ہوا کہ ان کے مدمقابل عرب مسلمانوں کا ایک دین ہے جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں اور وہ ''اسلام'' ہے۔ اور ان کے پاس ایک کتاب ہے جس سے اپنی زندگی کے تمام مرحلوں اور جنگ و صلح کے تمام موقعوں پر رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ کتاب وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے نبی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہی کتاب ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا دستور العمل ہے[۳]۔ جب کبھی بھی ان کے درمیان کوئی اختلاف رونما ہوتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہی کتاب ان کی طاقت وقوت اور ان کی شیرازہ بندی کا راز ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ مسیحی علماء نے اس کتاب کی تعلیم کی طرف توجہ کی اور شام و فلسطین کے یہود و نصاریٰ سے مدد لی[۴] اور کلونی کے چرچ کے صدر بطرس Peter the Venerabilis[۵] نے راہبوں کی ایک تعداد کو عربی اور

---

(۱) مقدمہ سرڈاکنز، روز، ترجمہ قرآن بقلم جورج سیل، لندن، ۱۹۲۰ء (۲) ایضاً XIV

(۳) ج. آوری J. Uri on the christinity of the Mohammadans in Oriental, London. 1797. Collection pp. 67-97, 92-92. No:5

(۴) H. Stubbe. The rise and progress of Mohammadenism p.p 201, London 1911.

(۵) بطرس (Peter the Venerabilis ۱۰۹۴-۱۱۰۶ء) ایک فرانسیسی اٹلی میں اور بندقیہ کے راہبوں میں سے ایک۔ ان کے وسیع علم کی وجہ سے لنگوفونسا کے اندر کلونی (Cluny) کا صدر بنایا گیا۔ جہاں سے یوروپی نصرانیت کی تحریک چلی۔ اسپین کے راہبوں نے وہاں پناہ گزیں ہونے کے بعد عربی علوم وفنون کی نشر و اشاعت کا ایک مرکز قائم کیا۔ بطرس نے اندلس کا سفر کیا اور مزید علوم کی تحصیل کی۔ اپنے دہر واپس ہونے کے بعد کتابوں کی تصنیف و تالیف شروع کی۔ مسلم فلاسفر اور مناظرین کے خلاف ان کی تین کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

عبرانی زبانوں کی تحصیل کے لئے شام بھیجا۔ چنانچہ ایک بڑے ذمہ دار ہرمان (Hermann) نامی ایک راہب نے دلماطیا کے اندر نحو وصرف کی تحصیل کے لئے ۱۳ سال اور عربی زبان کی تحصیل کے لئے مزید ۱۰ سال گذارے اور اندلس لوٹ کر ریٹینا (Retina) میں عیسائیوں کے ایک آبائی اسکول میں عربی زبان کا مدرس بنا۔

مستشرقین کے ترجموں پر ایک عام نظر

مستشرقین نے قرآن کریم کے جو ترجمے کئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔

۱۔ مکمل قرآن کریم کا ترجمہ

۲۔ قرآن کریم کی بعض سورتوں کا ترجمہ

مکمل قرآن کے ترجموں میں کچھ تو وہ ہیں جو ترتیب مصحفی پر ہیں، جیسے جورج سیل اور آربری کے ترجمے اور کچھ ترتیب نزول پر ہیں جیسے راڈویل، پالمر، رچرڈ بیل اور دوسرے لوگوں کے ترجمے۔ ان لوگوں نے مصحفی ترتیب کو اس نظریہ کے تحت تبدیل کردیا کہ ترتیب نزول میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فکری ارتقاء نمایاں ہوتا ہے۔ اور انہی ترجموں میں ایک اور ترجمہ ہے جو ترتیب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مسخ شدہ ہے جو قصداً عراق کے ن.م. داؤد نامی ایک یہودی نے کیا ہے۔

دوسری نوعیت کے وہ ترجمے ہیں جو بعض سورتوں اور اقتباسات کے ترجمہ پر مشتمل ہیں جن کے نام سے مترجمین کی موروثی اسلام دشمنی عیاں ہے۔ مثلاً ''لین پول'' نے اپنی کتاب کا نام ''محمد کی قصہ گوئی'' رکھا ہے۔ اسی طرح الیگزنڈر روز کا ترجمہ ہے ''محمد کا قرآن'' اور جوزف تیلا نے اپنی کتاب کا نام ''محمد کے قرآن میں مشرقی اخلاق کی نمائندگی'' رکھا ہے۔

میں نے ان ترجموں کا الگ الگ جائزہ لیا ہے۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے تقاضہ یہ تھا کہ ان ترجموں کا جائزہ مستشرقین کے اولین ترجموں کے ضمن میں پیش کیا جاتا۔ جو ترجمے مجھے حاصل ہوسکے ان میں سے بعض کا تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے نص اصلی اور دوسرے ترجموں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے ان کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے ضمن میں کچھ ایسے ترجموں کا بھی ذکر آ گیا ہے جو مجھے حاصل تو نہ ہوسکے البتہ ان مراجع کی طرف میں نے اشارہ کردیا ہے جہاں ان

ترجموں کا تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے۔ ان ترجموں اور بعض دوسرے ترجموں پر مستشرقین کے قلم سے لکھے ہوئے مقدموں (مثلاً راڈویل کے ترجمہ پر مارجلیوتھ کا مقدمہ، جورج سیل کے مقدمہ پر الیگزنڈر روز کا مقدمہ) کا مطالعہ کرنے کے بعد جس نتیجہ پر میں پہونچا اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں:

مستشرقین کے ترجموں میں عمومی طور پر جو چیز مشترک ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور اصل حقیقت تک پہونچنے کے لئے ریسرچ کا جو سائنٹفک طریقہ ہونا چاہئے تھا، اختیار نہیں کیا۔ البتہ ان کی کاوشوں کے پس پردہ جو مقصد چھپا رہا وہ یہ کہ اپنے ہم مشربوں کو قرآن کریم کی تعلیمات اور اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کردیں۔ ان کے گمان کے مطابق ان کو یہ اندیشہ رہا کہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہونے والا ایک عام انسان بھی اگر قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کو سمجھ لے تو وہ اسلام کی حقانیت کے سامنے بخوشی سر تسلیم خم کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سیرت نبویہ کی کشش زمینی اور مقناطیسی کشش سے کم نہیں۔ چنانچہ ان مستشرقین کے پیش نظر لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ ملا کہ وہ ترجمہ وتفسیر کے نام پر قرآن کریم کے جمالیات کو مسخ کردیں۔ اور جب ترجمہ کے اندر کسی افتراء و دسیسہ کاری کی گنجائش نہیں ملی تو حاشیہ پر تعلیقات لکھ کر اپنے جذبات کی تسکین اور اپنے مقصد کی تکمیل کی۔ اور جب یہ حواشی و تعلیقات بھی ناکافی محسوس ہونے لگے تو مقدموں کے اندر آزادانہ طریقہ سے بڑی تفصیل کے ساتھ دل میں چھپے ہوئے کینوں اور اسلام، قرآن اور سیرت نبویہ کے خلاف اپنی عداوتوں کو صفحہ قرطاس پر نمایاں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ایک بات جس کا اعتراف یہاں ضروری ہے، وہ یہ کہ سادہ قسم کے لوگوں کو ایسا لگتا ہے کہ ان مستشرقین نے تاریخی واقعات کو آپس میں ایک دوسرے سے مربوط

کرنے میں ریسرچ کا سائنٹفک طریقہ اختیار کیا ہے اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کا مرجع و مأخذ مسلمانوں کی تحریریں ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ مستشرقین کے اختلافات، افتراء اور دسیسہ کاریاں اس کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم ہے جس کو اس بات کی واقفیت ہو کہ یہ تاریخ کی سند پیش کرنے میں ان قرائن سے تجاہل برتتے ہیں جن کے ضمن میں دوسرے واقعات کا ذکر آ جانے کی وجہ سے ان کے دعوؤں کی نقیض اور ان کے خرافات کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے ایک ہی مثال کافی ہے جس میں ان کا مناظرانہ انداز نمایاں ہے۔ ایک طرف تو ان کا ماننا ہے کہ عرب اولین میں خونی تفاوت اور قبائلی تعصب دراصل ان کے اسلام میں داخل ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے پیغام کی طرف متوجہ ہونے کے بنیادی اسباب وعوامل میں سے ہیں۔ دوسری طرف اسی وقت اس سے تجاہل بھی برتتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ معارضہ کیا، اور آپؐ سے دشمنی کا بیج بویا وہ خود اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اور آپؐ کے درمیان رشتہ داری بھی تھی اور خونی تعلقات بھی تھے۔ جیسا کہ آپؐ اور ان کے درمیان تعلقات تھے، جنہوں نے ایمان قبول کیا اور آپؐ کی طرف سے مدافعت کی۔ ان کے تجاہل کی دوسری مثال وہ ہے جو مارجلیوتھ نے راڈویل کے ترجمہ پر ایک طویل مقدمہ میں قرآن کا اصول بیان کرنے میں بے کار کی کوشش کی ہے۔

وہ کہتا ہے: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طائف میں باغوں کے چاروں طرف بہتی ہوئی نہریں اور سرسبز و شاداب زمینیں دیکھیں تو ان کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے کہا۔ جنات تجری من تحتها الأنهار (ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں)''۔ (الصف:۱۲)

لیکن دوسری طرف قرآن کریم نے ظلمات کا وصف بیان کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے اس سے تجاہل برتا ہے جب کہ اس وقت تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

یوروپی زبان میں پہلا ترجمہ

قرآن کریم کے مشتملات سے متعارف ہونے کے لئے مغرب کی پہلی کوشش سنہ ۱۰۹۶-۱۲۷۰ء مطابق ۴۹۰-۶۶۹ھ کے درمیان ہوئی جب کہ ۱۱۴۳ء مطابق ۵۳۸ھ کوریٹینا کے راہبوں، جن میں سرفہرست روبرٹ چسٹر تھا، نے لاطینی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ یہ اصل میں انگریز تھا اور ان میں دالما طبا چرچ کا ہرمان (Herman) بھی تھا۔ یہ ترجمہ سابق الذکر پادری بطرس کے چرچ میں مخطوطہ کی شکل میں چار صدیوں تک محفوظ رہا۔ چھاپے خانے وجود میں آنے کے بعد ٹی ببلیانڈر T.Bibliander نے ۱۵۵۳ء کو بازل Basel نامی ایک شہر کے اندر اس کی طباعت کی ذمہ داری لی۔

اس ترجمہ کے سلسلہ میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ نئی نسل اور کمزور قسم کے پادریوں کی عقلیں قرآن کریم کی تعلیمات سے کہیں متأثر نہ ہو جائیں اس اندیشہ سے اٹلی اور جرمنی کے بعض راہبوں نے اس ترجمہ کو جلا دیا تھا اور وہ ترجمہ جو ۱۵۵۳ء کو شہر بازل میں شائع ہوا وہ اٹلی کے کیتھولک پادریوں کا کیا ہوا ترجمہ ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو اس ترجمہ کی نسبت صدیوں سے روبرٹ اور ھرمان نامی دو پادریوں کی طرف چلی آ رہی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا لاطینی ترجمہ منظر عام پر آیا جس کو اٹلی کے رہنے والے لیوگی میراکی (Luigi Merracci) نے ۱۶۶۸ء کو پاڈوا (Padua) سے شائع کیا۔ میراکی کو کچھ سامی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی اور عبرانی زبانوں کی مہارت تھی۔ اس کی ذاتی لائبریری دینی اور مذہبی کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ اسی طرح اٹلی کی سب سے بڑی لائبریری کے مخطوطے اس کے تصرف میں تھے۔ لیکن اس کے معاصرین اور اس کے بعد کے دوسرے لوگوں میں سے کوئی بھی ان مآخذ سے واقف نہیں تھا جن سے اس نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے درمیان استفادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کی لائبریری کے اندر جو اس کے مر جانے کے بعد فروخت ہو گئی تھی، کوئی عربی ڈکشنری یا کوئی تفسیر کی کتاب نہیں مل سکی اور نہ ہی ایسے قرائن پائے گئے کہ اس

کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جنہوں نے تمام تر اختلافات کے باوجود مغرب کی معصومیت کو قبول کر لیا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہر میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر ان کا کنٹرول ہے۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ دنیا کے اندر پھیلی ہوئی پبلک لائبریریاں ہوں یا یونیورسٹیوں کی لائبریریاں، ہر جگہ مستشرقین کی کتابیں وافر مقدار میں موجود ہیں جن کا حصول ہر ایک کے لئے آسان ہے۔

نے کسی عرب ملک کا سفر کیا ہے۔ اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ کہ وہ دسویں معصوم پوپ (Pope Innocent X) کا مشیر کار تھا۔ اس نے اپنا ترجمۂ قرآن روم کے شہنشاہ لیبولد اول کو ہدیہ کیا تھا۔ اس نے اپنے ترجمہ میں مقدمہ کے اندر اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف پیش کیا تھا جو بعد میں P. Rodromus کے نام سے مستقل کتاب کی شکل میں آ چکا ہے[1]۔

سر ایڈورڈ ڈینسن روز[2] Sir Edward Denson Ross نے جورج سیل کے ترجمہ پر اپنے مقدمہ میں لکھا ہے: یوروپی زبان میں قرآن کریم کا جو بھی ترجمہ پایا جاتا ہے وہ میراکی کے ترجمہ کا مرہون منت ہے۔ اہل یوروپ کو اس وقت تک اسلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں جو کچھ بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سب کا مأخذ میراکی کے ترجمۂ قرآن کا یہی مقدمہ ہے[3]۔

پھر یورپ میں مختلف زبانوں، خاص کر فرانسیسی زبان میں پے در پے قرآن کریم کے ترجمے آتے رہے۔ آج حال یہ ہے کہ کوئی بھی ایسی یوروپی یا مشرقی زبان نہیں ہے جس میں قرآن کریم کا ایک یا کئی ایک ترجمے نہ ہوئے ہوں۔ یوروپ کی مختلف زبانوں اور لہجوں میں قرآن کریم کے ترجموں کی فہرست ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی، استاذ برائے اسلامک اسٹڈیز، استنبول یونیورسٹی نے تیار کی ہے جو ان کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن طبع ۱۹۵۲ء کے مقدمہ میں موجود ہے[4]۔

---

(۱) تفصیل کے لئے اس مذکورہ مقدمہ سے رجوع کریں۔ (۲) سر ایڈورڈ روز (Sir Edward Ross) نولدیکی کا شاگرد تھا، سترابرگ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، لندن یونیورسٹی میں فارسی زبان کا استاذ ہوا، اور اس کی مدد سے انڈیا آفس لائبریری لندن میں عربی وفارسی مخطوطات کی فہرست تیار ہوئی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کا استاذ نولدیکی (۱۸۳۶-۱۹۱۰ء) جرمن مستشرق وہی ہے جو علمی حلقوں میں اپنی اسلام دشمن اور خاص طور پر سیرت نبویہ پر اپنی بیجا تحریروں سے مشہور ہے۔ (۳) مذکورہ مقدمہ

(۴) علامہ محمد حمید اللہ حیدر آبادی کا فرانسیسی ترجمہ قرآن پر مقدمہ، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اسی موضوع پر اردو میں ان کی ایک کتاب ۱۳۴۳ھ کو حیدر آباد سے شائع ہوئی جس کا نام "قرآن ہر زبان میں" ہے۔ ۱۹۶۹ء میں پاکستان سے نکلنے والے "سیارہ" ڈائجسٹ کے خصوصی نمبر قرآنیات پر شائع ہوا تھا جس میں مشرقی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجموں سے متعلق متعدد مقالات چھپے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی کی اس موضور پر ترکی زبان میں ایک کتاب ہے جس میں انہوں نے ترکی زبان میں قرآن کریم کے ۱۰۰ ترجموں کا ذکر کیا ہے۔

انگریزی میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ

یہ الیگزنڈر روز (Alexander Ross) کا ترجمہ ہے جس کا نام اس نے "محمد کا قرآن" رکھا ہے۔ اس نے بالارادہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کے اندر تحریف کی اور اس کو Mahmet (ماہمیت) لکھا ہے۔ قرآن کی طرف منسوب اس کی خرافات کا نام ہے The Koran of Mahmet (ماھمیت کا کوران)۔ (۱)

یہ ترجمہ ۱۶۶۴ء مطابق ۱۰۵۸ھ سے قسط وار یونیورسل پریس انگلینڈ سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اور ۱۷۱۸ء مطابق ۱۱۳۱ھ کو لندن میں مکمل اس کی طباعت ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے اندر موجود ہے۔ اس کی زبان لاطینی زبان سے مخلوط ہونے کی وجہ سے دور حاضر میں ناقابل فہم ہے اور جو پرانے دستاویزات اور نصوص کے پڑھنے کا عادی نہ ہو اس کے لئے اس کا اسلوب بھی مبہم ہے۔ اس کی دوسری طباعت کی بھی تقریباً یہی صورت حال ہے۔

نادانی اور سرکشی کی بنیاد پر اس نے قرآن کریم کی طرف سب سے بڑی جو خرافات منسوب کی ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور وفات سے متعلق ہیں۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "ترکوں کا نبی اور قرآن کا مؤلف" کہا ہے۔ اس کی

---

(۱) یہ مشرکین کے عناد و سرکشی کی حقیقی تصویر ہے جنہوں نے تحریف میں الفاظ کا بے جا استعمال کیا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو "لیاباالسنته و طعناً فی الدین." (النساء:۴۶) سے خطاب کیا ہے۔ مستشرقین عربی دانی کا دعویٰ کرنے اور قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کی جسارت کے باوجود بھی دال اور طاء کے درمیان کے فرق کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھتے ہوئے ان کی دشنام طرازی کی ایک دلیل یہ دیکھئے کہ یوروپ کی سلسلہ تصنیف پر شائع ہونے والے مختصر انسائیکلوپیڈیا کے اندر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر مقالہ لکھنے والا کہتا ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک مغربی معاشروں کو اس آدمی کا صحیح نام معلوم نہیں اس کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کچھ اس کو مھمیط لکھتے ہیں اور کچھ موحامید لکھتے ہیں۔ A Short Encyclopedia of Islam Europ.

افتراء پردازیوں کو سمجھنے کے لئے اس طرح کے بیجا عناوین کافی ہیں۔اس کے باوجود مستشرقین کے نزدیک اس ترجمہ کی بڑی اہمیت اور علمی وزن ہے، اس لئے کہ مستشرقین کے ترجموں اور ان کی آراء جواب تک منظر عام پر آ چکی ہیں ان سب کا مرجع یہی ہے کسی حد تک بجز آربری اور کارلائل کے کوئی بھی اس سے مستثنٰی نہیں ہے۔

جورج سیل کا ترجمہ[1] G. Sale

اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۷۳۴ء کو منظر عام پر آیا۔ پھر زمانہ کے ساتھ ساتھ دوسرے انگریزی ترجموں کے باوجود اس کی بار بار طباعت ہوتی رہی اور خاص کر دوسری عالمی جنگ کے آس پاس کے زمانوں میں [2] اس کی طباعت بکثرت ہوئی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس ترجمہ کو مترجمین کے نزدیک بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ مسلم اسکالرس میں سے بھی کسی نے اس کا انکار نہیں کیا حتیٰ کہ تفسیر ماجدی کے مؤلف عبدالماجد دریابادی نے [3] اپنے ایک مقالہ [4] میں یہاں تک لکھا کہ:

''جورج سیل کا ترجمہ اس لائق ہے کہ بار بار اس کی طباعت ہو۔ یہ ایک صاف ستھرا ترجمہ ہے اور مستشرقین کے ترجموں کے مقابلہ میں بہت خوب ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مترجم بڑی وسعت قلب اور علمی امانت کا حامل ہے اور اس کے اندر مسلمانوں کے جذبات کا احترام بھی ہے''۔ لیکن آج کوئی مسلم محقق اس ترجمہ کو دیکھے تو بہت ممکن ہے کہ وہ دریابادی کی تائید نہ کر پائے کیونکہ ''سیل'' کے اندر اسلام کے خلاف جو بغض تھا وہ اس کے مستشرقین برادری سے کم نہیں تھا۔ وہ درحقیقت ان کے بالمقابل بڑا چالاک اور شاطر تھا۔ چنانچہ اس نے موروثی انداز میں ڈائریکٹ اسلام اور رسول

---

(۱) جورج سیل (۱۶۹۷-۱۷۳۶ء) ایک ایڈوکیٹ تھا۔ اپنے خالی اوقات میں عربی سیکھی۔ کافی مقدار میں عربی کتابیں بھی جمع کیں۔ اس کے علمی کارناموں میں ''ترجمہ قرآن'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا ''دین اسلام'' کے عنوان سے ایک مفصل مقدمہ بھی ہے جو بیجا تنقیدوں، لغویات اور افتراء پردازیوں کا پلندہ ہے۔ امین حاشم عربی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے ۱۹۱۳ء کو قاہرہ سے اس کی اشاعت بھی ہو چکی ہے۔

(۲) ۱۹۶۲ء کے اختتام تک انگریزی ترجموں کی تعداد ۷۵ تھی ۱۹۶۳ء سے اب تک میری جانکاری کے مطابق ۵ ترجمے شائع ہوئے۔

(۳) دریابادی کے مفصل حالات تیسری فصل میں آرہے ہیں۔

(۴) یہ مقالہ لاہور، پاکستان سے نکلنے والے میگزین ''ڈائجسٹ'' کے خصوصی شمارہ میں چھپا تھا جو ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ملامت اور سب وشتم کی نسبت نہیں کی بلکہ اس نے ترجمہ کے اندر اپنے تصرفات کے ذریعہ قرآن کریم اور اسلام کے پیغام کی معنویت کو معمولی بنا کر پیش کیا۔ اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ اس نے قرآن کریم کے اس عام خطاب ''یـا أیهـا الـنـاس ''(اے لوگو!)(بقرہ:۲۱) کا ترجمہ ''اے اہل مکہ'' O) (Men of Mecca سے کیا ہے اور اس کی تفسیر میں یہ حاشیہ بھی چڑھایا ہے:

''اس کے لفظی معنی تو ''اے لوگو'' ہیں لیکن یہ حقیقت بھی کسی سے مخفی نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اصلاح وتربیت کے حدود ان کی قوم سے آگے نہیں تھے اور ان کی رسائی اتنی بھی نہیں تھی کہ پوری انسانیت کو مخاطب کر پائیں۔ چنانچہ قرآن کریم کے اندر عام صیغہ کے ساتھ عوام کو مخاطب کرنے کا جہاں کہیں بھی تذکرہ آیا ہے اس سے مراد ''اے اہل مکہ'' ہے۔[۱]

اس طرح ''رب العالمین''(فاتحہ:۲) کے ترجمہ میں بھی جورج سیل نے مغالطہ پیدا کیا ہے اور قرآن کریم کی وسعت وآفاقیت کو تنگ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کے تحت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کائنات میں بہت سی ایسی دنیائیں ہیں جن سے انسان ناواقف ہے۔ چنانچہ اس کا ترجمہ جورج سیل یوں کرتا ہے:

"The Lord of all Creatures" یعنی تمام مخلوقات کا پروردگار۔

اور اس نے حاشیہ کے اندر اس کی تفسیر یوں کی ہے:

The original words are: (Rabbil Aalmin) which literally signify lord of worlds but (al' Aalmin) in this and other places of the Koran means the three species of rational creatures, men, genii and angelso.

---

(۱) اس کے آٹھویں ایڈیشن ۱۸۷۱ء کے بعد ترجمہ کی دوسری اشاعتوں سے سارے مفصل ومطول حواشی حذف کر دیے گئے ہیں۔

یعنی اصل الفاظ ''رب العالمین'' ہیں۔ معنی ہوئے بہت سی دنیاؤں کا پروردگار۔ لیکن یہاں اور قرآن کے دوسرے مقامات پر جہاں کہیں بھی ''عالمین'' کا لفظ آئے گا اس کے معنی ہوں گے تین طرح کی عقل والی مخلوقات: انسان، جنات اور فرشتے۔

جورج سیل ''الحمد للہ رب العالمین'' کے ترجمہ میں رچرڈ برٹن کے ترجمۂ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Praise be to Allah who three worlds made.

اس اللہ کی تعریفیں ہیں جس نے تین دنیاؤں کو پیدا کیا۔

جورج سیل اسی انداز سے تفسیر کرتا ہے اور قارئین کے سامنے اس بات کی تاکید بھی کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ایک علاقائی اصلاحی تحریک تھی جو محدود وقت کے لئے تھی جس کے حدود اہل مکہ تک تھے پھر دھیرے دھیرے پورے جزیرۃ العرب میں پھیلی۔ وہ اپنے نظریات کی تائید مکی اور مدنی آیتوں سے کرتا ہے اور اس آیت سے استدلال پیش کرتا ہے ''و ھذا کتاب أنزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیه، و لتنذر أم القری و من حولها.'' (انعام:۹۲) لیکن جب وہ اس آیت پر پہونچتا ہے ''وما أرسلناک إلا کافة للناس بشیراً و نذیراً.'' (سبأ:۲۸) تو ترجمہ کو اس انداز سے توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ عقل بھی اس کو قبول نہ کرے۔ جورج سیل کا کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ ہو:

O Prophet, we have not sent thee otherwise than onto all common men.

''یعنی، اے پیغمبر، ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر عام قسم کے لوگوں کی طرف''۔

''کافة الناس'' (سارے انسانوں) کا ترجمہ "Commonmen" (عام قسم کے لوگ) سے کیا ہے جس میں ترجمہ کے اندر مترجم کا من مانی تصرف بالکل واضح ہے۔

قارئین کی نظر میں مختلف طریقے سے قرآن کریم کی اہمیت کو کم کرنے میں مترجم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ ترجمہ کرتے وقت جملوں کے حذف و اضافہ سے جب بات بنتی نظر نہ آئی تو اس نے حاشیہ میں باصرار اور قصداً اس طرح سے اس کی تلافی کی کہ قرآن کریم محض محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قصہ گوئی کا مجموعہ ہے۔

اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی کرتے ہوئے "و إذا خلوا إلى شياطينهم" (بقرہ:۱۴) کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے کہ آپ نے پادریوں کے لئے ایک نامناسب لفظ استعمال کیا ہے۔

اور "في قلوبهم مرض فزادهم الله مرضاً" (بقرہ:۱۰) کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان پیغمبروں کو جن پر اللہ کی تعریف نازل ہوئی ہے ناعاقبت اندیش بتایا ہے، ان کی حماقت اور گمراہی کی وجہ سے۔

ترجمہ میں اس طرح کے تصرفات اور حواشی کے اندر ایسے زہر آلود بغض وعناد کو سرایت کرنے کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ جورج سیل نے اپنے اس کام کے ذریعہ انگریزی داں طبقہ کے سامنے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ اس نے ان متعصب عیسائیوں کی ایک خدمت انجام دی ہے جن کی عقلیت کو بیان کرتے ہوئے ایک بڑے رائٹر سر ایڈورڈ ڈینسن روز نے سیل کے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے:

For many centuries the acquaintance which the majority of Europeans possessed of Mohammedanism was based almost entirely on distorted reports of fanatical christians, which led to the dissemination of a multitude of gross calumnies. What was good in Mohammedanism

was entirely ignored, and what was not good, in the eyes of europe. was exaggerated or misinterpreted.

''کئی صدیوں سے اسلام اور نبوت محمدی کے متعلق اکثر یوروپ کی معلومات کا دارومدار، متعصب عیسائیوں کی ان تحریف شدہ رپورٹوں پر ہے جن سے اسلام کے خلاف کئی دشنام طرازیاں عام ہوئی ہیں۔ اسلام کی جتنی بھی خوبیاں تھیں ان سے مکمل طور پر تجاہل برتا اور یوروپ کی نظروں میں جو بھی ناخوب تھا اس کو ملمع کاری کے ساتھ غلط انداز سے پیش کیا''۔ (۱)

جورج سیل کی عربی بھی ایسی نہیں تھی جس سے کوئی ریسرچ اچھا گمان کرے۔ اپنی مشہور کتاب Preliminary Discourse کے مقدمہ کے اندر اس نے اعتراف کیا ہے کہ اس کو اسلام کے اولین مصادر مل سکے اور نہ ہی عام لائبریریوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ اس کے مطالعہ کا سارا انحصار بعض اسلامی کتابوں پر تھا جو اس کی ذاتی لائبریری میں تھیں۔

سرروز نے اس کی ذاتی لائبریری کا قصہ اس طرح سنایا ہے کہ وہ ابھی جرمنی کے اندر بوڈلین کی لائبریری کے ایک گوشہ میں موجود ہے۔ چونکہ اس کی موت کے بعد یہ لائبریری بیچ دی گئی تھی۔ اس نے اعلان کیا تھا اس میں انگریزی کے علاوہ ترکی، عربی اور فارسی زبانوں میں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں تفسیر بیضاوی کے علاوہ کوئی بھی عربی کتاب دستیاب نہیں ہے۔

اسلام اور قرآن کریم کے پیغام کی اہمیت کو کم کرنے میں اس نے جو قصداً غلطیاں کی ہیں ان میں سے ایک مثال اس آیت کا ترجمہ ہے:

''و كذلك جعلنا كم أمة وسطاً.'' (بقرہ:۱۴۳)

---

(۱) ص:۷، طبع نیو یوری، ۱۹۴۰ء

Thus have we placed you O Arabian intermediate nation.

قرآن کریم کا خطاب عرب وعجم سارے مسلمانوں کو ہے۔لیکن مترجم نے مفہوم کوتنگ کرتے ہوئے عربوں تک محدود کردیا۔اپنے اس نظریہ کوثابت کرنے کے لئے کہ اسلام تو صرف عربوں کے لئے تھا۔اسی طرح ''وسطا'' کے ترجمہ میں غلطی کی جس کے اصل معنی ایک منصف عادل اور چنندہ امت کے ہیں جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے۔لیکن ''سیل'' نے اس پر یوں حاشیہ لکھا ہے:

This seems to be the sense of the word, though the commentators will have the meaning to be that the Arabians are here decleared to be the most just and good nation.

''لفظ کا مفہوم تو یہی ہے۔لیکن مفسرین کے بقول عربوں کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک خیر وانصاف اور عدل پسند امت ہیں''۔

جورج سیل نے''و إن کانت لکبیرة إلاعلی الذین هدی الله.'' (بقرہ:۱۴۳) کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"Though (this change) seems a great matter unless unto those whom God hath directed"

اور اگر اس تبدیلی کا کوئی بڑا اثر ہوتا مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی، اس کی یہ غلطی ''إن'' شرطیہ اور ''إن'' مخففہ کے درمیان جو باریک سا فرق ہے اس سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔کاش اس کو معلوم ہوتا کہ اس آیت میں إنّ ثقیلہ کا مخفف إن استعمال ہوا ہے جس کی اصل ہے إنها لکبیرة.(۱) شاعر کہتا ہے:

شلت یمینک ان قتلت لمسلما حلت علیک عقوبة المتعمد

اللہ تعالیٰ کے قول ''لکبیرة'' اور شاعر کے قول ''لمسلما'' دونوں جگہ ''لام فارقہ ہے''۔ آیت کا صحیح ترجمہ پکتھال نے کیا ہے:

In truth it was a hard (test) save for those whom Allah guided.

جورج سیل نے ''انّ اللّٰہ بالناس لرؤف رحیم۔ ''(بقرہ:۱۴۳) کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

Or God is gracious and merciful unto man.

یعنی ''یا اللہ تعالیٰ لوگوں کے تئیں مہربان اور رحم فرما ہے''۔ اس نے ''انّ'' کا ترجمہ Or (یا) سے کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے:

Surely Allah is kind and compassionate unto mankind.

بلاشبہ اللہ تعالیٰ انسانیت کے لئے مہربان اور کرم فرما ہے۔

اس طور پر اس کے ترجمۂ قرآن میں تھوڑے ہی صفحات ایسے ہوں گے جو اس کی سوچی سمجھی غلطیوں سے خالی ہوں جن سے جورج سیل کی عربی سے جہل و نادانی نمایاں طور پر واضح ہے۔

جورج سیل خوش قسمت تھا۔ اس کے زمانہ میں کوئی اس کا مدمقابل مترجم پیدا نہیں ہوا اور اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں تنہا یہی ترجمہ مقبول ہر خاص و عام رہا۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں روڈویل کا ترجمہ منظر عام پر آیا۔

---

(۱) مترجم نے جو محذوف مانا ہے وہ قابل غور ہے۔ بقول مترجم: یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ ان ''نافیہ'' ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ ''شرطیہ'' ہو، اور یہ مخفف من الثقیلہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن صحیح ''انّھا لکبیرة'' انّ جب مخفف ہو جائے اور اس کے بعد کوئی فعل آ جائے تو اس کے عمل کو ساقط کرنا ضروری ہے اور اس کی وجہ سے خبر پر اس کے اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے لام فارقہ لائی جاتی ہے۔

روڈویل کا ترجمہ

۱۸۸۶ء مطابق ۱۳۰۴ھ کو پروفیسر جے. ایم. روڈویل کے ترجمہ کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا جس کا مقدمہ مشہور مستشرق جورج مرگولیوتھ کے قلم سے تھا۔

روڈویل قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے زمانہ میں کیمبرج یونیورسٹی کے اندر دراسات مشرقیہ کا پروفیسر تھا۔ عربی زبان کی اہلیت سطحی تھی جو ترجمۂ قرآن جیسے عظیم کام کو بخوبی انجام دینے کے لئے ناکافی تھی۔ چنانچہ اس نے جورج سیل، ھلمن اور میراکی کے انگریزی، جرمن اور لاطینی ترجموں پر اعتماد کرتے ہوئے ترجمہ مکمل کیا۔ لیکن اس کا ترجمہ ماڈرن سائنٹفک اسلوب اور عام فہم معاصر زبان کی وجہ سے سابقہ ترجموں سے ممتاز تھا۔ جورج سیل کے ترجمہ کو دو صدیاں گذر چکی تھیں اور زبان کا حال یہ ہے کہ اس کی ترقی روز افزوں ہے۔ انداز بیان بھی ترقی پذیری کے مراحل سے گذرتا رہتا ہے۔ چنانچہ جورج سیل کا انداز بیان جو سترہویں صدی کی نمائندگی کرتا تھا، روڈویل کے زمانہ میں فرسودہ ہو چکا تھا۔ مستشرقین کے درمیان روڈویل کے ترجمہ کی مقبولیت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس نے سورتوں کی ترتیب میں ایک بدعت نکالی تھی اور اپنے ترجمہ کو روایتی طرز ترتیب کے برخلاف ترتیب نزول کے حساب سے مرتب کیا تھا۔ چنانچہ اس کے ترجمہ میں سب سے پہلے سورہ علق اور سب سے آخر میں سورہ مائدہ تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ اس زمانی ترتیب سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلیت کی صحیح اور واضح تصویر سامنے آتی ہے اور قرآنی نظریات میں جو کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ اس نے تاریخ نزول کے اعتبار سے سورتوں کی تقسیم نولدیکی Noldke کی کتاب Geschichte des Quran کی بنیاد پر کی ہے۔ اس میں تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اس مترجم نے بھی اپنی تفسیر کے اندر اسلام کے شعائر کو بگاڑ کر پیش کرنے اور اپنے پوشیدہ مزعومات کو ثابت

کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا ہے۔ بے نتیجہ اور بے سود ہے، وہ ترجمہ جس میں ریسرچ کے طریقۂ کار اور سائنٹفک انداز بیان دونوں ہی کا فقدان ہو اور اس سے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض وعناد ہویدا ہو۔ اس نے اپنے مقدمہ کے اندر صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''اس بات پر غور وفکر کرنا کہ قرآن انسان کی قدرت سے ماوراء ہے بالکل خارج عن البحث ہے''۔ ظاہر بات ہے، ہم کو ایسے مستشرق سے انصاف کی امید نہیں رکھنی چاہئے جس کی اسلام دشمنی بالکل واضح اور عیاں ہو۔ البتہ ہمیں اس کی امید ضرور تھی کہ علمی اور ادبی اعتبار سے اس کا ترجمہ کھرا ثابت ہوگا۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کا ترجمہ بحث وتحقیق کی معروضیت اور سائنٹفک طرز تحریر سے بھی خالی ہے جو یوروپین اسکالرس کا امتیازی وصف مانا جاتا ہے۔

مترجم اور اس کے مقتدا کی علمی قابلیت کا اندازہ درج ذیل آیت کی تفسیر کے حاشیہ کو دیکھ کر بخوبی لگا سکتے ہیں۔ ''عبداً اذا صلّی '' کے حاشیہ میں لکھتا ہے:

''عبداً'' سے مراد فی نفسہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ جیسا کہ نولڈکہ نے اس کے ترجمہ میں مملوک (Slave) کے لفظ کو زیادہ راجح قرار دیا ہے۔ مزید وہ کہتا ہے: شریعت اسلامیہ پر ایمان لانے والے اکثر غلام تھے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد کا تعلق عیسائی گھرانوں سے تھا۔ کچھ تو نصرانی والدین کے بچے تھے اور یہ سارے غلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلقہ میں داخل ہو گئے جنہوں نے خود کو بھی غلام کہا۔ اس لئے کہ وہ سب یہ سوچ رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی آزادی کی قیادت کریں گے۔ ڈاکٹر اسپرنجر (Dr. Springer) اپنی کتاب ''سیرت محمد'' (طبع الہ آباد، انڈیا) میں کہتا ہے: ''مکہ کے غلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارد گرد جمع ہو گئے اور ان سبھوں نے قرآن پر ایمان قبول کرلیا، جس نے ان کو ان کے سارے ارباب سے اعلیٰ وافضل ایک زبردست رب کا تصور عطا کیا۔ جس

کے اندران کے سارے ارباب کے خلاف ان کے غم وغصہ کی شفایابی کا سامان بھی تھا"۔

روڈویل نے ترجمہ کرتے وقت الفاظ کے معنی ہی بدل دیئے اور ایسے الفاظ کا استعمال کیا جو بیجا اور بے محل تھے۔ تراکیب میں بھی تبدیلیاں کردیں اور اپنی طرف سے الفاظ اور جملوں کا اس انداز سے اضافہ کیا کہ گویا وہی قرآن کی مراد ہے۔

خلاصہ یہ کہ روڈویل کے ترجمہ سے مستشرقین کی عقلیت اور انیسویں صدی میں ان کی علمی سطحیت کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے اور ہمارے سامنے ایسا نقشہ پیش کرتا ہے جس میں ان کے بغض وعناد کا عکس واضح طور پر جھلکتا ہے۔

پروفیسر پالمر کا ترجمہ

۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۸ھ کو برطانیہ کے اندر اوکسفورڈ پریس سے کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ای. ایچ. پالمر کا ترجمۂ قرآن منظر عام پر آیا جو دراصل اوکسفورڈ یونیورسٹی میں شعبہ دراسات مشرقیہ کے صدر، جرمن مستشرق میکسو کے مطالبہ پر کیا گیا تھا۔ اس نے معاصر مستشرقین کو دینی مقدس کتابوں کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کی ذمہ داری دی تھی چنانچہ مختلف ادیان و مذاہب کی کتابوں کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کا بھی ترجمہ ہوگیا۔ انگریزی ترجمہ کے ساتھ عربی الفاظ کی مطابقت اور ادبی اسلوب کی بنا پر اس ترجمہ کو مستشرقین کی دادِ تحسین بھی حاصل ہوگئی۔

مترجم اگرچہ روڈویل کے افکار و تصورات سے آزاد نظر آتا ہے مگر وہ جورج سیل کی اقتداء کی قید و بند سے آزاد نہیں ہوسکا جس نے قرآن کی وسعت و آفاقیت اور دعوت اسلام کی ہمہ گیریت کو تنگ بنا کر پیش کرنے اور جزیرۃ العرب تک محدود و محصور کرنے کی مکمل کوشش کی ہے۔

اس ترجمہ کے کئی ایڈیشن آچکے ہیں۔ آخری ایڈیشن ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۲ھ کو منظر عام پر آیا۔

قسیس وھیری (Whery) کا ترجمہ

۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۲ھ کو قسیس وھیری نے اسلام پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''ترجمۂ قرآن'' رکھا جس میں اس نے روڈویل کی پیروی کی ہے اور شیعہ عالم ملا حسن واعظ کشفی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تفسیروں پر اعتماد کیا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں اس نے شیعہ اور اہل سنت والجماعت کے نظریات کو جمع کیا ہے۔ چونکہ بعض شیعوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے چنانچہ اس موضوع پر مترجم نے سیر حاصل بحث کی ہے اور قرآن پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ باور کرایا ہے کہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ اسکو ثابت کرنے کے لئے شیعہ باطنیہ فرقہ کے بہت سے اقوال بھی نقل کئے ہیں جس فرقہ کا ماننا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس ترجمہ کی ورق گردانی کرنے والے کو کہیں سے بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔ ہاں مترجم نے شاہ عبدالقادر دہلوی کی موضح القرآن سے بعض چیزیں نقل کی ہیں۔ اس ترجمہ سے یہ بات عیاں ہے کہ مترجم نے اپنے اس کام کے ذریعہ ان علماء محققین کے عقیدہ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن کی بحث و تحقیق کا میدان قرآن کریم ہے اور جن کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کسی طرح کی بھی تحریف سے پاک و بری ہے۔ البتہ شیعہ امامیہ کے عقائد میں بعض ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے قرآن، اسلام اور سیرت نبویہ پر ضرب پڑتی ہے۔

اس ترجمہ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن کے جنوبی حصہ میں دستیاب ہے۔

پروفیسر رچرڈ بیل (Rechard Bell) کا ترجمہ

رچرڈ بیل جب ایڈنبرا یونیورسٹی اسکاٹلینڈ میں عربی کا ٹیچر تھا اس زمانہ میں اس نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا۔ نیویارک سے ۱۹۷۳ء کو اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ ۱۹۶۰ء کو دو جلدوں میں اس کی دوسری طباعت ہوئی۔ مترجم چونکہ روڈویل کے پیروکاروں میں سے تھا چنانچہ اس نے قرآن کریم میں سورتوں کی ترتیب بدل دی اور ہر سورت کی ابتداء میں تاریخ نزول اور اسباب نزول سے متعلق طویل تنقیدیں رقم کیں۔ نص اصلی کے ترجمہ کے ضمن میں اپنی تعلیقات اور تنقیدوں کو شامل کیا۔ اپنے فرسودہ اور باطل زعم کے مطابق جن آیات کو چاہا امتیازی علامات کے ذریعہ کسی الگ سورت میں ضم کرنے یا مستقل سورت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ اس نے بغیر کسی علمی دلیل کے درج ذیل آیت کو ایک مستقل مکی سورت بنا کر پیش کیا:

"قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء، و تعزُ من تشاء، و تُذِلُّ من تشاء، بیدک الخیر اِنک علی کل شیءٍ قدیرٌ." (آل عمران:۲۶)

اس مترجم نے شاطرانہ انداز میں قرآن کریم کو قصداً بگاڑ کر پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں تو اس نے اپنے پیشوا و مقتدا روڈویل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جس نے صرف سورتوں کی روایتی ترتیب کو بدلا تھا، لیکن اس کے شاگرد کی خباثت اور مکاری کی انتہا ہوگئی اور آیات قرآنیہ ہی کو ادھر سے ادھر بدل کر رکھ دیا۔ ترجمہ وتفسیر کے نام پر

ایسی نئی چیزیں پیش کیں جو قارئین کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیں۔ اسی طرح ترجمہ کے نام پر ایسے الفاظ کو شامل کر دیا جن کا قرآن کریم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اس آیت سے مراد یہ ہے اور کہیں کہتا ہے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا کہنا چاہا مگر تعبیر وتشریح کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے جملہ ناقص رہ گیا ہے۔ رچرڈ بیل نے اپنے اس ترجمہ کے ذریعہ نئے سرے سے اس بات کی دلیل پیش کر دی کہ بجز ایک آدھ ترجمہ کے مستشرقین کے تمام ترجموں کا مقصد ان کی زبانوں کے بولنے والوں کو قرآن کریم سے دور کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس اندیشہ سے کہ اگر ان کی قوم نے قرآن کریم کے معانی ومفاہیم کو سمجھ لیا تو جوق در جوق وہ مشرف بہ اسلام ہوتے چلے جائیں گے اور دنیا کے اندر عیسائیت بے وزن اور بے قیمت بن کر رہ جائے گی۔

پروفیسر آربری کا ترجمہ

کیمبرج یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کے سابق پروفیسر ارتھر جے آربری کا ترجمہ، قرآن مسمی ''قرآن مترجم'' حقیقی معنوں میں مستشرقین کے دیگر ترجموں کے بالمقابل ممتاز ونمایاں ہے۔ شیریں اندازِ بیان اور آسان الفاظ کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھرپور التزام کیا گیا ہے کہ بغیر کسی حذف واضافہ کے قرآن کے ہر ہر لفظ کا صحیح ترجمہ کیا جائے اور قرآن کریم کے جمال پر کوئی حرف بھی نہ آنے پائے۔ دین اسلام کی حقانیت وآفاقیت پر کوئی ضرب نہ پڑے اور نہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں کسی قسم کی گستاخی سرزد ہو جو عام طور پر اکثر مستشرقین کی تحریروں کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ البتہ معمولی معمولی غلطیوں سے توصحیح العقیدۃ مسلم اسکالرس کے ترجمے بھی پاک نہیں ہیں۔

دشمنان اسلام کی فریب کاریاں اور دشنام طرازیاں واضح اور نمایاں ہو چکی ہیں۔ قصداً کرنے والی غلطیوں اور انجانے سرزد ہو جانے والی بشری خطاؤں کے درمیان بڑا فرق ہے جن کو کوئی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے: ''ولتعرفنهم فی لحن القول '' (اور آپ یقیناً گفتگو کے زیر و بم سے ان کو پہچان لیں گے)۔

اس طرح خطاء بشری اور دجل وفریب کاری کے درمیان خط فاصل ہم قائم کر سکتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ آربری کا ترجمہ بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ جن کی طرف آگے اشارہ کر دیا جائے گا۔ البتہ یہ غلطیاں تحریف اور فریب کاری کے قبیل سے نہیں ہیں، جیسا کہ روڈویل، رچرڈ بیل، پالمر اور اخیر میں داؤد عراقی کے ترجموں میں ہم دیکھتے ہیں۔

آربری ترجمہ کے اندر باریک بینی اور دقیقہ سنجی سے کام لیتا ہے اور نص اصلی

کی اپنی زبان میں مکمل ترجمانی کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ہر حرف اور ہر لفظ کے لئے لغات سے استفادہ کر کے مناسب اور صحیح لفظ لاتا ہے۔ بہت سے مفسرین ''هل أتى على الإنسان حينٌ من الدَّهرِ لم يكُنْ شيئا مذكورا. ''(الانسان:۱) کے ترجمہ میں ''هل'' کا ترجمہ ایسے لفظ سے کرتے ہیں جو ''قد'' کے معنی دیتا ہے یا استفہام انکاری کے معنی دیتا ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے'' ألم يأت على الإنسان زمن كان فيه شيئًا لا يذكر؟ ''(کیا انسان پر ایسا زمانہ نہیں آیا جس میں وہ ایک نا قابل ذکر چیز تھا)۔ اس طرح عبداللہ یوسف علی، پکتھال اور احمد علی نے ''هل'' کے ترجمہ میں حرف نفی کا اضافہ کیا ہے اور پوری آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

Has there not been over man a long period of time when he was nothing (not even) mentioned?

لیکن آربری نے اس آیت کو جملہ استفہامیہ مان کر اس طرح ترجمہ کیا ہے:

Has there com on men a while of time when he was a thing unrememberd?

لیکن الفاظ کی رعایت میں آربری کی اس دقیقہ ریزی نے کہیں کہیں مفہوم کو صحیح مدلول سے دور بھی کر دیا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے: ''الذين هم في خوض يلعبون. ''(طور:۱۲)

آیت کے اس جزء کا اصلی مفہوم وہ نہیں ہے جو ظاہری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محمد مارماڈیوک پکتھال نے اصل مفہوم کا خیال کرتے ہوئے اس طرح ترجمہ کیا ہے:

Who play in talk of grave matters.

عبداللہ یوسف علی نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

Those who play (and paddle) in triles.

ترجمہ کے اندر صحیح مفہوم کو ادا کرنے کی صلاحیت میں ان سب میں سب سے زیادہ ممتاز و نمایاں مولانا عبدالماجد دریابادی ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ملاحظہ کر لیجئے:

Those who in wading sport themselves.

اس کے بعد حاشیہ پر اس کی تشریح کرتے ہیں:

i.e. Those who busy themselves with vain and false discourse.

آربری سے جو چوک ہوئی ہے اس کی ایک مثال اس آیت کا ترجمہ ہے:

''ھو الذی خلق لکم مافی الأرض جمیعاً. ثم استوی الی السماء فسوّا ھُنّ سبع سماوات. وھو بکل شیءٍ علیم.''(بقرہ:۲۹)

اس میں ''ثم استوی إلیٰ السماء'' کا ترجمہ کیا ہے:

Then He lifted Himself to heaven (پھر اس نے اپنے آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا)

اس آیت میں ''استویٰ'' کے معنی بلند کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی قصد کرنے کے ہیں جو ''إلیٰ'' کے صلۃ سے واضح ہے۔ اگر ''علی'' کا صلۃ استعمال ہوتا تب بھی یہ معنی صحیح نہیں تھے جیسا کہ سورہ اعراف کی ایک آیت میں آیا ہے۔ ''ثم استوی علی العرش ''(اعراف:۵۴) اور سورہ طٰہٰ کی آیت ''الرحمٰن علی العرش استوی ''(طٰہٰ:۵) ان آیتوں میں بھی ''استویٰ'' کا ترجمہ کرنے میں آربری سے چوک ہوئی ہے ان کا ترجمہ ہے: Set himself upon.

Set کی جگہ Established صحیح اور مناسب لفظ ہے۔ مولانا دریابادی نے اسی کو لکھا ہے۔ لیکن ہم آربری کے ترجمہ کو بالکل غلط بھی نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ یہ

خوب اور بہت خوب کے درمیان فرق کی طرح ہے۔ البتہ اس کے علاوہ کچھ ایسی بھی غلطیاں آربری کے ترجمہ میں موجود ہیں جو قابل گرفت ہیں۔ قرآن کی آیت ''کما أرسلنا فیکم رسولاً منکم یتلو علیکم آیاتنا '' (بقرہ:۱۵۱) میں ''یتلو علیکم آیاتنا '' کا ترجمہ آربری نے کیا ہے To recite Our signs، جب کہ یہاں پر آیات علامت، دلیل اور نشانی کے معنی میں نہیں بلکہ آیات قرآنیہ کے معنی میں مستعمل ہیں جیسا کہ سیاق وسباق سے واضح ہے۔ یہاں آیات کا صحیح ترجمہ "Verses" ہے۔

لفظ ''مصر'' کا ترجمہ کسی شہر یا کسی ملک کے علم کے طور پر کرنا غلط ہے کیونکہ اس کے اندر تنوین موجود ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب مصر (Egypt) لینا درست نہیں ہوگا۔ اس لفظ کے ترجمہ میں صرف آربری سے غلطی نہیں ہوئی ہے بلکہ محمد اُسد سے بھی یہ چوک ہوئی ہے۔ عبداللہ یوسف علی نے اس لفظ کے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جہاں یہ تنوین کے ساتھ آیا ہے میں نے اس کا ترجمہ any town (کوئی شہر) سے کیا ہے۔ البتہ یہ لفظ دوسری جگہوں میں بغیر تنوین کے بھی آیا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا مطلب مصر فرعون ہے۔ امام ابن کثیر نے ''اھبطوا مصراً'' (بقرہ:۶۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ تنوین کے ساتھ ہے جو منصرف ہے اور عثمانی ائمہ کے نسخوں میں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ جمہور نے بھی اس کو منصرف ہی پڑھا ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: ''اھبطوا مصراً'' میں مصر سے مراد شہروں میں سے کوئی ایک شہر ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ''ابی بن کعب اور ابن مسعود کی قرأت میں یہ اھبطوا مصر بغیر الف کے غیر منصرف استعمال ہوا ہے۔ ابن جریر مزید کہتے ہیں: منصرف ہونے کی صورت میں بھی اس سے مراد مصر فرعون ہوسکتا ہے۔ اس میں مصحف قرآنی کے خط وکتابت کی تقلید کا بھی امکان ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

''ویُطاف علیهم بآنیةٍ من فضّةٍ وأکوابٍ کانت قواریرَ (۱۵) قواریرَ من فِضّةٍ قدّروها تقدیراً (۱۶)''(انسان:۱۶،۱۵)

حاصل کلام یہ کہ اس لفظ کے سلسلے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ مصر سے مراد ملک مصر بھی ہو سکتا ہے۔ مفسرین کے اقوال کی بنا پر اس کو مترجم قرآن آربری کی غلطی شمار کرنا مناسب نہیں ہے اور اس لئے بھی ان کا عذر قابل قبول ہے کہ انہوں نے اس مفہوم کو کلام اللہ نہیں کہا ہے بلکہ ایک طرح کی تفسیر یا تعبیر میں شمار کیا ہے۔

داؤد عراقی کا ترجمہ

اس ترجمۂ قرآن کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۶ء کو The Koran کے نام سے دارالنشر بنجوئن کلاسکس سے شائع ہوا۔ اس وقت تک اس رائٹر کا کوئی نام ونشان نہیں تھا، البتہ اس کے ترجمہ اور اس پر اس کے حواشی سے پوری صراحت کے ساتھ یہ بات عیاں تھی کہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر یہ ایمان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن جب ۱۹۸۱ء کو اس کا آخری ایڈیشن دارالنشر سے منظر عام پر آیا جس کا اس وقت میں تجزیہ پیش کر رہا ہوں، تو اس داؤد نامی شخص کی حقیقت سامنے آئی کہ اس کا تعلق عراق سے ہے۔ عراقی حکومت کے وظیفہ پر اس نے لندن میں تعلیم حاصل کی۔ اس وقت یہ کسی ترجمہ ایجنسی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ اس سے قبل اس نے الف لیلہ، عربی راتیں (Arabian nights) سنیمائی مکالمات، فلمی ناولوں اور ان جیسی دوسری چیزوں کے ترجمے کئے ہیں اور بعض دشمنان اسلام کی حوصلہ افزائی ملنے کے بعد مکمل قرآن کریم کا بھی اس نے ترجمہ کر ڈالا۔ مجھے قابل اعتماد ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ عراقی یہودی ہے۔ اس طور پر اس کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ پہلا عرب یہودی ہے جس نے اسلام اور قرآن مخالف زہرنا کیوں کو علم و تحقیق کے نام کے پس پردہ پیش کیا ہے۔

اس نے اپنے ترجمہ کے اندر پہلا کام یہ کیا ہے کہ سورتوں کی ایک من مانی ترتیب قائم کی جو نہ قرآنی سورتوں کی روایتی ترتیب ہے اور نہ ہی شان نزول کی ترتیب۔ اس کے باطل نظریہ کے مطابق قرآن کے اندر شعری موسیقیت اور نغمگی ہے اور یہ موسیقیت بعض آیات اور بعض سورتوں میں دیگر سورتوں اور دیگر آیات کے بالمقابل کچھ زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کو اپنے سرکش اور نادان خیالات کے مطابق جن سورتوں میں زیادہ شعری موسیقیت نظر آئی ان کی درجہ بندی کی اور پورے قرآن کریم کو از سر نو مرتب کیا۔ سب سے پہلے سورۃ زلزال کو، پھر سورہ انفطار کو، پھر سورہ تکویر اور سورہ انسان کو علی الترتیب

رکھا اور قصداً آیتوں کے نمبرات حذف کر دیئے تا کہ تلاوت کرنے والا اصل قرآن سے نا آشنا اور نابلد رہ جائے اور اس کے قرآن کو ایک مرجع کی حیثیت حاصل ہو جائے۔

اس کو فلموں اور پیشہ ورانہ اشتہارات کے ترجموں میں مہارت حاصل تھی، جس کی بو اس کے ترجمۂ قرآن کے اندر بھی محسوس ہوتی ہے۔ آیات قرآنیہ کے ترجمہ میں وہ عام بات چیت کی زبان استعمال کرتا ہے چنانچہ کسی لفظ کو مقدم کرتا ہے، کسی کو مؤخر، کہیں سے کوئی لفظ حذف کر دیتا ہے اور کہیں اپنی طرف سے بیجا کوئی لفظ داخل کر دیتا ہے اور کبھی کبھی عبارت کو قصہ، مکالمہ اور افسانہ نگاری کے اسلوب میں ڈھالنے کے لئے کئی کئی الفاظ اپنی طرف سے اضافہ کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

''فقال أنا ربكم الأعلى'' (نازعات:۲۴) میں ''فقال'' آیت کے شروع میں آیا ہے لیکن داؤد نے آیت مذکورہ کے ترجمہ میں اس کو آخر میں رکھا ہے:

I am your supreme Lord, he said.

مجھے بخوبی معلوم ہے افسانوی طرز تحریر میں اس طرح کی تبدیلی لازمی ہوتی ہے۔ لیکن مقدس آسمانی صحیفوں میں ایسی تبدیلی ناقابل قبول ہے۔ اناجیل کے ترجموں میں اور ان ترجموں میں جو کبار مستشرقین مثلاً روڈویل، رچرڈ بیل، جورج سیل اور آربری کے قلم سے ہیں، اس طرح کی تبدیلی نہیں ملے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے بھی ترجمہ میں من مانی تصرفات کئے ہیں لیکن مستشرقین اسلام دشمنی کے باوجود اسکالرس تھے، انگریزی ان کی اپنی زبان تھی۔ لہٰذا وہ گفتگو کی زبان اور علم و ادب کی زبان کے درمیان فرق کرنا جانتے تھے۔ رہی بات اس طفل نادان کی، تو اس کے بس میں کہاں کہ اس باریک فرق کو سمجھ سکے۔

ترجمہ میں الفاظ حذف کرنے کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے جس میں کہ سارے مترجمین نے ''فاء'' تعقیب کا ترجمہ "Then" سے کیا ہے۔ سوائے مسٹر داؤد کے کہ اس نے اس آیت میں واو عطف کا بھی ترجمہ نہیں کیا ہے:

”وخلقناكم أزوواجاً (٨) و جعلنا نومكم سُباتاً (٩) و جعلنا الليل لِباساً (١٠) و جعلنا النهار معاشاً (١١) و بنينافوقكم سَبْعاً شِداداً (١٢). “(نبأ:٨-١٢)

”ف“ اور ”و“ کا ترجمہ محض افسانوی طرز تحریر کی رعایت کی خاطر نہیں کیا ہے۔لفظ کو مقدم کرنے کی مثال سورہ نبأ کی آیت ”إنّ یوم الفصل کان میقاتاً“ (نبأ:١٧) میں ”میقاتا“ آیت کے اخیر میں آیا ہے۔مستشرق اور مسلم مترجمین نے اس کا ترجمہ Fixed Time سب سے اخیر میں لکھا ہے لیکن مسٹر داوٗد نے اس کے ترجمہ کو مقدم کیا ہے اور عبارت کے معنی ”قیامت“ ہو گئے ہیں۔

اس کے ترجمہ میں لاتعداد ایسی غلطیاں ہیں۔ایک اور مثال دیکھئے:

داوٗد نے سورۃ نبأ کی پہلی آیت ”عمّ یتساء لون“ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

About what are they asking?

جو ایک فحش غلطی ہے۔تساوٗل اور سوال دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔

سیبویہ نے اپنی تصنیف ”الکتاب“ کے اندر لکھا ہے:

”تفاعل کے کئی معنوی خصائص ہیں۔ایک خاصیت مشارکت ہے کہ ایک ہی فعل میں دو یا دو سے زائد لوگوں کی شرکت ہو۔ان میں سے ہر ایک لفظی اعتبار سے فاعل اور معنوی اعتبار سے مفعول ہوسکتا ہے۔[1] قدیم و جدید سارے مفسرین نے اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔زمخشری اپنی تفسیر ”الکشاف“ میں رقم طراز ہیں:”یتساءل یعنی ایک دوسرے کا آپس میں پوچھنا، یا وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔جیسے یتداعون، یتراوون۔

ذیل میں اس آیت کے چند انگریزی ترجمے دیئے جاتے ہیں۔جورج سیل جو زمانی اعتبار سے مستشرقین میں قدیم ہیں اور تعصب میں اتنے سخت بھی نہیں ہیں، ان کا ترجمہ ہے:

(۱) الکتاب: جلد۲، صفحہ ۲۲۹

Concerning what ("The unblivers" ask question of one another?)

پروفیسر آربری نے اس آیت میں ''یتساءلون'' کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

Of what do they question one another?

استاذ محمد اسد کا ترجمہ دیکھئے:

About what they (most of them) question one another?

اس طرح مترجمین کی ایک جماعت ہے جو اس پر متفق ہے کہ تساؤل کے معنی آپس میں ایک دوسرے کا پوچھنا ہیں۔

داؤد کی نادانی اور ہٹ دھرمی کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے ''الحمد للہ رب العالمین'' (فاتحہ:۲) میں ''العالمین'' کا ترجمہ Creation یعنی مخلوق کیا ہے۔ کیا یہ معقول بات لگتی ہے کہ اس کو ''العالمین'' کے معنی معلوم نہیں تھے جو عالم کی جمع ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا صرف وہی نہیں جس میں ہم بستے ہیں بلکہ بہت سی ایسی دنیائیں ہیں جن کا نزول قرآن کے زمانہ میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ بات عیاں ہوئی کہ چاند کی ایک الگ دنیا ہے اور دوسرے سیارگان فلک کی مستقل الگ الگ دنیائیں ہیں۔ بڑی پاک ہے وہ ذات جس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو اس کو معلوم نہیں تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ داؤد عراقی کے پاس ایسی اہلیت نہیں تھی کہ وہ ترجمۂ قرآن جیسا عظیم الشان کام کرتا۔ اس کے لئے بس اتنا بہت تھا کہ پیشہ ورانہ اشتہارات اور سنیمائی مکالمات کا ترجمہ کرے۔

اللہ اس پر رحم فرمائے جس نے اپنی حقیقت پہچان لی۔

مستشرقین کے قلم سے

قرآن کریم کے مختلف سیپاروں کے انگریزی ترجمے

قرآن کریم کے مکمل ترجموں کے دوش بدوش مستشرقین کی ایک تعداد نے اس کے مختلف سیپاروں کے ترجمے کئے اور ترجمہ کے نام پر اپنے حواشی بھی شامل کر دیئے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ای۔ڈبلیو لین کا ترجمہ بنام:

A selection from Koran of Mohamed with an intervene commentary.

''تداخلی تفسیر کے ساتھ محمد کے قرآن کا ایک انتخاب''

یہ ترجمہ ۱۸۴۳ء مطابق ۱۲۵۹ھ کو دو اجزاء میں لندن سے شائع ہوا۔ پہلا جزء سورتوں اور آیات کے ترجمہ کے لئے مخصوص ہے جس میں (مترجم کے فہم کے مطابق) عقیدہ اسلامیہ، توحید، نبوت، وحی، آخرت، ملائکہ، جن، جنت، دوزخ، ایمان، کفر اور تقدیر کا ذکر ہے، جب کہ دوسرا جزء انبیاء سابقین، ہلاک ہونے والی قوموں اور آسمانی کتابوں جیسے تورات، زبور اور انجیل کے تذکروں پر مشتمل ہے۔

مترجم نے اپنی استطاعت سے کچھ زیادہ ہی زحمت اٹھائی ہے اور قرآن کریم کے مشتملات کا مأخذ و مرجع تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ بعض قرآنی آیات کے بارے میں کہتا ہے: ''ان کا مأخذ اہل مکہ کی قصہ گوئی ہے جو ان کے درمیان رائج تھی۔قرآن کا فلاں قصہ دراصل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ میں عیسائی علماء سے سنا تھا'' وغیرہ وغیرہ۔ جب یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے عقائد کے درمیان صریح تعارض کی وجہ سے ان بنیادی مآخذ میں اختلاف کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو اس نے سوال کھڑا کیا، محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) کو کہاں سے یہ حکایت ملی؟ اور جن آیات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کھل کر سامنے آتی تھی اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر روشنی پڑتی تھی ان کو بہت معمولی بنا کر پیش کیا اور قاری کی نظر میں ان کی اہمیت گرادی اور کہا: یہ آیات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فکری ردعمل کا نتیجہ ہیں جوان کو فلاں وقت ان ان اسباب کی بنا پر درپیش تھی۔

اس کے جانشیں اور بھتیجے اسٹنلی لین پول Stanley Lane Poole نے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ اس کتاب کا خلاصہ کیا ہے جس میں اس نے دیگر شریعتوں کے درمیان شریعت اسلامیہ کے مقام ومرتبہ کی فوقیت کو واشگاف کیا ہے۔ اسی طرح اس نے ''محمد کے بیانات اور بات چیت'' کے نام سے چند قرآنی سورتوں کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے جو ۱۸۸۲ء مطابق ۱۳۰۰ھ کو روڈویل کے فوراً بعد ہی شائع ہو چکا تھا۔ روڈویل، جس کا ماننا ہے کہ قرآن کریم دراصل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث اور بیانات کا مجموعہ ہے، وہ کوئی وحی خداوندی نہیں ہے۔ مترجم اپنے اس منتخب ترجمہ کے پس پردہ کیا ثابت کرنا چاہ رہا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اس ترجمہ کے اندر ماقبل ترجموں سے زیادہ کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ قرآن شعر وحکمت اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات چیت اور بیانات کا مجموعہ ہے۔ (۱)

ترجموں کا ایک منتخب سر ولیم میور کا Extract from the Coran (قرآن کے چند اقتباسات) کے نام سے ہے جو متوسط سائز کے ۶۳ صفحات پر مشتمل ۱۸۸۵ء مطابق ۱۳۰۳ھ کو لندن سے شائع ہو چکا ہے۔ چونکہ مترجم کو اپنی تصنیف Life of Mohammad (حیات محمد) کی وجہ سے مستشرقین کے حلقہ میں شہرت حاصل تھی، لہٰذا اس ترجمہ کو بآسانی محققین کی توجہ حاصل ہوگئی۔

---

(۱) کتاب کا اصل نام ہے The speeches and table-talk of the prophet Mohammad chosen and translated from the Koran.

ترجمہ قرآن کے دیگر منتخبات میں ویبرٹ اسٹانٹون (H. U. Wibrecht Stanton) کا ترجمہ Selection from the Quran (انتخاب از قرآن) کے نام سے روڈ ویل کے ترجمہ کے ساتھ ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۶ھ کو لندن سے شائع ہوا۔

آرتھر ولاسٹن Arthur N. Wolloston کا ترجمہ بنام The Religion of the Koran (مذہب قرآن) نیویارک سے ۱۹۲۷ء بمطابق ۱۳۴۶ھ کو منظر عام پر آیا۔ اس ترجمہ سے یہ عیاں ہے کہ آرتھر کو عربی نہیں آتی تھی۔ مقدمہ کے اندر اس نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں کے ترجموں کے ذریعہ اس کو قرآنی مشتملات سے واقفیت حاصل ہوئی۔

مارگولیتھ (Margoliouth) نے اپنے قرآنی منتخبات، اٹھارہویں صدی عیسوی سے شائع ہونے والے مستشرقین کے دیگر ترجموں کے ساتھ شائع کیا۔ لیکن ان منتخبات کو شہرت نہ مل سکی۔ ان میں سے اکثر ضائع ہو گئے اور بعد میں ان کی طباعت بھی نہ ہو سکی۔

جوزف ٹیلا (Josef Tela) کا ترجمہ Morality of the East (مشرقی اخلاقیت) کے نام سے ۱۷۶۶ء مطابق ۱۱۸۰ھ کو لندن سے شائع ہوا جو ۹۶ صفحات پر مشتمل تھا۔

کارلائل[1] کا انتخاب Verses from Koran (قرآن کی آیات) کے نام سے شائع ہوا۔ اس نے قرآن اور اس کے اسلوب کی ستائش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومنزلت کا بھی اعتراف کیا۔ رچرڈ بیل کے مقدمہ کی تردید کی اور کارلائل کے بارے میں کہا کہ اس نے اسلام کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی کی ہے

(۱) یہ وہ کارلائل نہیں ہے جو "عبقریت اور عبا قرہ پرستی" کی سیریز میں اسلام کے عنوان پر اپنے لکچر کی وجہ سے معروف ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے۔ ان چیزوں کی بنیاد پر اس کے ترجمہ کو مستشرقین نے پسند نہیں کیا اور نہ ہی حوصلہ افزائی کی۔ جے ایم ہوجسون (J. M. Hodgson) نے اپنا منتخب ترجمہ Bibles of the Nation (قوموں کی مقدس کتابیں) کے نام سے شائع کیا۔

ایم نجمی ساجف بودا میالیسیک (M. Najmi Sagif Bodamialisack) کا ترجمہ ۱۹۲۲ء مطابق ۱۳۴۱ھ تک بابھوس (قبرص) سے قسط وار شائع ہوا۔ اس کا دوسرا منتخب ترجمہ The Quranic Meaning (معانی قرآن) کے نام سے ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۶ھ کو نیقوسیافی سے شائع ہوا۔

دوسری فصل

قادیانیوں کے انگریزی ترجمے

مشتملات:

- قادیانیوں کے ترجموں پر ایک عام نظر
- محمد علی لاہوری کا ترجمہ
- مالک غلام فرید کا ترجمہ
- سر ظفر اللہ خاں کا ترجمہ

قادیانیوں کے ترجموں پر ایک عام نظر

انگریزی مترجمین قرآن کی ایک اور جماعت ہے جس کے افراد ''قادیانی'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ''قادیان'' نامی شہر کی طرف نسبت کی بنیاد پر جو صوبہ پنجاب (انڈیا) میں واقع ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں میں سے ایک شخص نے انگریز حکام کی حمایت سے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور انہیں کے تعاون سے ایک مٹھی بھر جماعت کا حلقہ بنانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ جس جماعت نے دین کے بنیادی اصولوں سے ناواقفیت کی بناء پر اور فرنگیوں کے چند ٹکوں کے لالچ میں اس مدعی نبوت کی پرجوش تائید کی تھی۔ چنانچہ مسلم علماء نے اس مدعی نبوت اور اس کے پیروکاروں کا تعاقب کیا، ان سے نبرد آزما ہوئے، اور ان کے دعوؤں اور سرگرمیوں کی بیخ کنی کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں یہ مٹھی بھر جماعت ہندوستان کے ایک کونہ میں سکڑ کر رہ گئی۔ تقسیم کے بعد جب پاکستان کو ایک آزاد ملک کی حیثیت حاصل ہوگئی، اس جماعت نے اس نوخیز ملک کے اندر اپنے عقائد کو نافذ کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کا قلمدان سر ظفر اللہ خاں کے ہاتھ آیا جو اس خارج از دین جماعت کا ایک ممبر تھا۔ اس نے اپنے فاسد عقائد کی اشاعت اور عوام کو گمراہ کرنے میں اپنے منصب کا استحصال کیا اور اس نظریہ کو عام کرنے کی کوشش کی کہ غلام احمد قادیانی ایک مسلمان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کسی نئی شریعت اور رسالت کا مالک ہے۔ بلکہ یہ ایک نبی ہے جس کو ایک زمانہ کے لئے مبعوث کیا گیا۔ چنانچہ اس کے ان باطل اور جھوٹے دعوؤں سے کچھ سادہ قسم کے لوگ متأثر بھی ہوگئے۔ چونکہ خفیہ طور پر ان لوگوں کو مالی امداد بھی حاصل ہو رہی تھی اور مختلف ممالک میں اس نے اپنے دفاتر بھی کھول رکھے تھے۔ لوگوں نے اس فرقہ کو محض اسلام کے دیگر مسلکوں کی طرح ایک

مسلک سمجھا۔ لیکن دیکھتے دیکھتے اس دھوکہ سے پردہ ہٹ گیا اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ انگریزوں کا ایک خودساختہ پودہ ہے جس کے بال و پر ہندوستان میں نکلے اور یہیں تناور درخت بن کر لہلہانے کا موقع ملا۔

بالآخر پاکستانی حکومت نے اعلان کیا کہ قادیانیت خارج از اسلام ہے اور اس کے پیروکاروں کی حیثیت پاکستان میں غیر اسلامی اقلیت کی ہے۔ اس قرارداد کے منظر عام پر آجانے کے فوراً بعد مدعی نبوت کا موجودہ جانشین راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا اور برطانیہ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا جیسا کہ سلمان رشدی اور دوسرے دشمنانِ اسلام کو اس کی گود میں جگہ ملی ہوئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ قادیانیت جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے اور حال یہ ہے کہ اسلام سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے، اس فرقہ نے بھی تفسیر و ترجمہ کے نام پر قرآن کریم کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی کوشش کی اور کچھ قادیانیوں نے ترجمۂ قرآن کے پس پردہ لوگوں کو اس مغالطہ میں ڈالا کہ وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ قرآن کریم کے معانی کو وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور قرآن سے ان کی محبت بھی دوسروں کے بالمقابل زیادہ ہے۔

اب آیئے ان کے ترجموں پر غور کریں کہ انہوں نے ترجمہ کے اندر کیا کیا گل کھلائے ہیں اور کس کس انداز سے اپنے نظریات کی تاویل کی ہے۔

ان کے مزعومات اور تفسیری نظریات میں درج ذیل باتیں مشترک ہیں:

۱. پہلی بات جو ان کے ترجموں اور تفاسیر سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ نبوت کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا۔

۲. ہندوستانی مدعی نبوت غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور نبی مبعوث ہے (العیاذ باللہ) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر وحی آتی ہے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کا پیروکار ہے۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کے متبع تھے۔

۳. حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ نہیں اٹھائے گئے بلکہ ان کی فطری موت ہوئی۔

۴. قرآن کریم میں معجزات کا جوذکر آیا ہے وہ محض قرآنی مجاز اور اشاراتی تعبیر ہے۔

ان کے ترجموں کا جائزہ لیتے وقت ہم انشاء اللہ ان کے باطل نظریات کی بعض مثالیں پیش کریں گے تاکہ ان سے باخبر رہ سکیں۔

قادیانیوں کے متعلق تھوڑی تفصیل لکھنے کے بعد درج ذیل تین ترجموں کا جائزہ پیش کروں گا:۔

۱. محمد علی لاہوری کا ترجمہ

۲. مالک غلام فرید کا ترجمہ

۳. سرظفر اللہ خاں کا ترجمہ

یہ قابل ذکر بات ہے کہ فرقہ قادیانیت کی دو شاخیں ہیں۔ ایک شاخ کا عقیدہ ہے کہ یہ ہندوستانی مدعی نبوت، نبیوں میں سے ایک نبی، امام، رہبر اور تحریک احمدی کا بانی ہے۔ دوسری شاخ کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک مجدد اور واجب الاطاعت دین کا ایک لیڈر ور ہنما ہے۔ دونوں شاخوں کے پیروکاروں نے ترجمۂ قرآن کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا محمد علی لاہوری کا تعلق اس شاخ سے تھا جو مدعی نبوت کو مجدد اور ہادی مانتا تھا۔ ”واللّٰہ یعلم، إنهم لكاذبون“ (توبہ: ۴۰) (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ سب یقینی طور پر جھوٹے ہیں)

اس فرقہ کے ماننے والوں نے جو ترجمے کئے ہیں ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی محمد علی لاہوری، غلام فرید اور ظفر اللہ خاں کے ترجموں پر تفصیلی بات

کی جائے گی۔ چونکہ ان کے ترجموں کو دنیا میں شہرت حاصل ہے اس لئے اہمیت کے ساتھ ان پر گفتگو ضروری ہے۔

ا۔ خواجہ کمال الدین کا ترجمہ بنام: A Running commentary of the Holy Quran. (قرآن کریم کا ایک معاصر ترجمہ)۔ یہ ترجمہ ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ کو مکمل لندن سے شائع ہوا۔ ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۲۴ھ سے قسطوار اس کا ترجمہ شائع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قرآنی آیات عربی رسم الخط میں اور اس کے سامنے لاطینی رسم الخط میں قرآن کی آیتیں لکھی ہوتیں، پھر آیت کے نمبر کے ساتھ ہر آیت کا ترجمہ ہوتا۔ حاشیہ پر عام تفسیر ہوتی۔ مترجم نے اپنے مخصوص نظریات کے مطابق بعید از قیاس قرآن کی تاویل پیش کی اور قصداً Running Commentary (موجودہ زمانہ کی تفسیر) نام رکھا اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن سائنسی اکتشافات اور یوروپ کی موجودہ ایجادات پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: دخان سے مراد ریلوے انجن کا دھواں ہے۔ سورہ انشقاق کی ایسی بیجا تفسیر کی کہ گویا قرآن کریم ریل، ریلوے اسٹیشن اور ریلوے ملازمین کی بات کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر مترجم کی زندگی اور لمبی ہوتی اور سیٹلائٹ اور ہوائی جہاز کا زمانہ دیکھا ہوتا تو کہتا کہ قرآن تو ان ایجادات کے بارے میں بات کرتا ہے۔ بہر کیف آیات قرآنیہ کے ساتھ اس طرح کا کھلواڑ مستشرقین کی توجہات بھی حاصل نہ کرسکا چہ جائیکہ مسلمانوں کی توجہات حاصل ہوتیں۔ اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن لائبریریوں کی یادگار تاریخ کے لئے سامان عبرت بن کر رہ گیا۔

۲۔ غلام احمد سرور کا ترجمہ۔ مترجم سنگاپوری عدالت میں جج تھا۔ عربی کی معمولی

شد بد تھی۔ انگریزی میں شعر کہتا تھا۔ چنانچہ کوشش کی کہ قرآن کریم کا انگریزی منظوم ترجمہ کرے۔ لیکن اس کے ترجمہ کو کوئی شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ اس کے حواشی اور تعلیقات کی طرف مستشرقین کی نظر گئی اور بعض مسلم مترجمین نے بھی ان سے استدلال کیا۔

۳. مدعی نبوت کے بیٹے مرزا بشیر احمد کا ترجمہ مع تفسیر ''قرآن مجید'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اس پر تفصیلی گفتگو آگے آ رہی ہے۔

اس کا پہلا جزء ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۹ھ کو قادیان سے شائع ہوا تھا۔ دوسرا جزء ۱۹۵۵ء مطابق ۱۳۷۵ھ کو پاکستان کے ربوہ نامی شہر سے شائع ہوا۔

محمد علی لاہوری کا ترجمہ

''قرآن مجید'' کے نام سے اس کے چھ ایڈیشن اوکنگ انگلینڈ سے شائع ہوئے اور ساتواں ایڈیشن لندن سے طبع ہوا۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۵ھ کو ہوئی تھی۔ اس وقت تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں کسی مسلم یا اسلام کی طرف منسوب، قرآن پر ایمان رکھنے والے کسی عالم کے قلم سے کوئی صاف انگریزی ترجمہ نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مسلم تعلیم یافتہ حلقہ میں اس کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور مترجم کو مشرق عربی اور مشرق اسلامی دونوں کے تعلیم یافتہ خاص کر مغربی تہذیب وتمدن کے پروردہ طبقوں میں اچھی شہرت حاصل ہوگئی۔ سید پکتھال اور عبداللہ یوسف علی کے ترجموں کے منظر عام پر آنے سے پہلے پہلے تک یہی ترجمہ مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کے قرآنی نظریات کا ترجمان اور نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ رر ڈویل نے قرآن کریم کا ترجمہ کرتے وقت جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست میں اس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ زبان آسان اور سلیس ہے۔ انداز بیان بھی پسندیدہ ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کے عقائد کی نمائندگی نہیں کرتا ہے۔ اگر چہ مترجم کا دعویٰ ہے اور اس پر اس کا اصرار بھی ہے کہ اس میں مسلمانوں اور جمہور مفسرین کے اعتقادی نظریات سے کوئی تعارض نہیں ہے، بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے سلسلہ میں اس کے عقیدہ کے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فطری موت ہوگئی۔ ان کو زندہ آسمان میں نہیں اٹھایا گیا (واضح رہے کہ یہ عقیدہ غلام احمد قادیانی کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے قادیانیوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے)۔

مترجم کی بے بنیاد تفسیری آراء سے اس دعویٰ کی تردید ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ''ملائکۃ'' (فرشتوں) کے بارے میں اس کی رائے ہے کہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی قوت ارادی اور خیر وفلاح کی قوت تمثیلی کا نام ہے (حاشیہ نمبر: ۴۷) اور ''جن'' قوت شر اور

شر کی طرف بلانے والوں کی مجازی تمثیل کا نام ہے۔

لاہوری نے قرآن کریم کی تصریحات سے تجاہل برتتے ہوئے محض ان الفاظ کے معانی میں تاویلیں کر کے اپنے عقائد کو ثابت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۲۲ اور ۲۵۸۰)

اسی طرح جنت کے بارے میں اس کی رائے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی ایک معنوی شکل ہے، اور دوزخ اس کی ناراضگی کی دلیل ہے۔ اس نے تمام طرح کے معجزات کا انکار کیا ہے اور معجزات کی آیات کی بیجا تاویلیں کی ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ کیا ہے:

"وإذ استسقى موسى لقومه فقلنا اضرب بعصاك الحجر، فانفجرت منه اثنتاعشرة عينا قد علم كل أناسٍ مشربهم". (بقرہ:۶۰)

ترجمہ ملاحظہ ہو:

(جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو میں نے حکم دیا کہ اپنی عصا کے ساتھ پہاڑ کی طرف چلو اور پانی کے چشمے تلاش کرو (تو انھوں نے ایسا کیا)۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں وہ پانی کے بہت سے چشموں کے سامنے تھے (پہاڑوں کے اوپر) اور ہر ایک آدمی نے اپنا اپنا چشمہ پہچان لیا۔)

اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے وہ استدلال کرتا ہے کہ ضرب کے معنی چلنے کے ہیں۔ ضرب الأرض کے معنی ہوئے زمین پر چلا اور حجر کے معنی پہاڑ، اور انفجار کے معنی ہیں کسی چیز کا اچانک ظاہر ہونا۔ مترجم نے ہر جگہ معجزات کی اس انداز سے بیجا بعید از قیاس تاویلیں کی ہیں، اگرچہ اس کی آراء کی تائید نہ قدیم مفسرین سے ہوتی ہے اور نہ ہی عربی لغات میں ایسی کوئی دلیل ملتی ہے۔ اپنے دعووں کو مدلل کرنے کے لئے اپنی تعلیقات کے اندر نحوی تراکیب اور قرآنی مجازات سے بحث کرتا ہے اور

جب کوئی صورت نہیں بن پاتی ہے تو وہی اپنا پرانا راگ الاپتا ہے کہ یہ تو قرآنی مجازات کے قبیل سے ہے۔ مترجم نے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں اسلام اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازات اور خصوصیات کو بیان کیا ہے اور ترتیب قرآن کی کیفیت اور عرب معاشرہ میں وحی کے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو قرآن کا اولین مخاطب تھا۔

بعض مسلم مصنفین نے مترجم کی تاویلات اور تحریفات کا عذر یہ تلاش کیا ہے کہ اس کی پرورش و پرداخت ایسے ماحول اور ایسے وقت ہوئی ہے جب کہ ہندوستان اور پورے مشرقی ممالک میں برطانوی سامراجیت کا بول بالا تھا اور مستشرقین قرآن کریم کو بگاڑ کر اس انداز سے پیش کرتے تھے کہ اسلام کی شبیہ بھی خراب ہو رہی تھی۔ چنانچہ مترجم محمد علی لاہوری نے بھی دین اسلام کو دشمنوں کے سامنے اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی جو اس دور کے عقلیات و نفسیات کے ہم آہنگ ہو۔

لیکن یہ عذر نا قابل قبول ہے کیونکہ اس نے قرآن کریم کو ہرگز اس انداز سے پیش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے جیسا کہ نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی ہے، بلکہ مخصوص نظریات کو ترجمۂ قرآن کے پس پردہ پیش کیا ہے[1]۔

---

(۱) مترجم کی شریعت اسلامیہ پر ایک ضخیم کتاب ہے جو قادیانی مبلغین کے لئے ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوروپ و افریقہ میں، جو مغربی تعلیم یافتہ ایسے مسلم نوجوانوں جن کے اندر دینی علم راسخ نہیں ہے، ان کو بہلا پھسلا کر گمراہ کرنے میں اچھا رول ادا کر رہی ہے۔ خاص کر مشرقی مغرب کے ممالک میں چونکہ ان نوجوانوں کی تعلیم بچپن سے ایسے ماحول میں ہوئی جو غیر اسلامی ہے۔

مالک غلام فرید کا ترجمہ

پاکستان میں قادیانیت کے مرکز ''ربوۃ''(۱) سے نشریات شرقیہ ودینیہ کی طرف سے ''قرآن کریم'' کے نام سے ایک ترجمہ شائع ہوا جس کے سرورق پر یہ عبارت تحریر تھی: ''مالک غلام فرید کے قلم سے انگریزی ترجمہ وتفسیر، جس کی بنیاد غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور اس کے دوسرے جانشین مرزا بشیر الدین محمود کے اردو ترجمہ ''تفسیر صغیر'' (۲) پر ہے جو حضرت مرزا ناصر احمد جانشین ثالث مسیح موعود وصدر تحریک احمدی کے اہتمام ونگرانی میں ۱۹۶۹ء کو شائع ہوا۔ صفحات کی تعداد ۱۴۶۱ ہے اوراق اعلی فینسی سفید اور باریک ہیں جن میں انجیل، زبور وتوریت کی طباعت ہوتی ہے۔ قرآنی نص کے سامنے انگریزی ترجمہ ہے، حواشی میں مفسر کی اپنی آراء وتعلیقات ہیں۔

سورتوں کی ترتیب میں کوئی تحریف نہیں کی ہے۔ ترجمہ محمد علی لاہوری کے ترجمہ کی طرح آسان اور سلیس زبان میں ہے۔ مترجم نے ترجمہ کے اندر اپنے مخصوص عقائد اور اضافی تشریحات بھی اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں جو نمایاں تحریروں اور جلی حروف میں ہیں۔ رہی بات اختلافات اور دشنام طرازیوں کی تو دشمنان اسلام نے تعلیقات وحواشی میں ان کو خوب واضح کیا ہے۔ قادیانیوں کا پورا زور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فطری موت کو ثابت کرنے میں صرف ہوا ہے تاکہ اس دعویٰ کو ثابت کر سکیں کہ ان کا لیڈر قادیانی ہی مسیح موعود ہے اور اس کے ذریعہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت سے لوگوں کے ذہنوں کو پھیرنا اور غافل کرنا چاہتے چاہتے ہیں۔ اس طرح ان کی یہ بھی کوشش ہے کہ لوگوں کو اس مدعی نبوت کی سیرت و

---

(۱) قادیانیوں نے پاکستانی پنجاب کے ایک گاؤں پر قبضہ کیا اور اس کا نام ''ربوۃ'' رکھا جو قرآنی آیات "وآویناھما إلی ربوۃ ذات قرار و معین" سے ماخوذ ہے۔

(۲) یہ نام امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' کے بالمقابل ہے۔

حیات پر بحث و تحقیق کرنے سے الگ کردیں جب کہ یہ حقیقت واشگاف ہوچکی ہے کہ وہ محض انگریزوں کا ایک خودساختہ پودا تھا جنہوں نے اس فرقہ کے پیروکاروں کی حمایت کی اور اس کے جانشین کو پناہ دی۔[1]

قادیانیوں نے اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لئے جو انداز اختیار کیا ہے آیئے اس پر غور کرتے ہیں۔ سورہ آل عمران آیت: ۵۵ اور اس کا انگریزی ترجمہ پیش ہے:

إذقال اللّٰه یا عیسیٰ إنی متوفیک ورافعک إلیّ ومطهّرک من الذین کفروا. وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا إلی یوم القیامة، ثم إلیّ مرجعکم فأحکم بینکم فیما کنتم فیه تختلفون. (آل عمران:۵۵)

اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے مترجم نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو بالکل نادرست ہیں۔ جب اس سے بھی بات نہ بنی تو حاشیہ میں آزادانہ طور پر اضافی تشریحات داخل کردیں۔ چونکہ اس آیت کی تفسیر قادیانیوں کے عقائد کا اہم مأخذ ہے، اس لئے ترجمہ کی اصل انگریزی عبارت نقل کرنا مناسب ہے تاکہ ان کے دجل وفریب کا انداز کھل کر سامنے آجائے:

(Remember the time when Allah said: O Jesus I will cause thee to die a natural death and will raise thee to Myself, and clear thee (of the charges) of those who disbelieve, and will exalt those who follow thee above those who disbelieve, until the Day of Resurrection, then to Me shall be your return, and I will judge between you concerning that wherein you differ.")

(۱) ۱۳۸۹ھ کو حکومت پاکستان نے یہ حکم صادر کیا کہ قادیانیت ایک غیر اسلامی فرقہ ہے۔ چنانچہ اس کے تیسرے جانشین اور غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا ناصر احمد لندن میں پناہ لینے پر مجبور ہوا اور برطانوی حکومت نے اس کو اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو پورے اہتمام وشفقت کے ساتھ پہنچنے کی تمام سہولیات فراہم کیں۔

یعنی: (یاد کرو اس وقت کو) جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ، میں تم کو فطری موت دوں گا، اور اپنی طرف تم کو اٹھالوں گا اور ان لوگوں کی تہمتوں سے پاک کر دوں گا جو ایمان نہیں رکھتے ہیں اور تمہارے پیروکاروں کو ان لوگوں پر بلند کروں گا جو ایمان نہیں رکھتے ہیں روز قیامت تک۔ پھر میری ہی طرف تم کو پلٹ کر آنا ہے اور میں تمہارے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کروں گا جن کے درمیان تم اختلاف کرتے تھے"۔

سیاق معنوی کے اعتبار سے اس ترجمہ میں کوئی جھول نہیں ہے۔ لیکن مترجم نے "متوفیک" (میں تم کو وفات دینے والا ہوں) کا ترجمہ "امیتک" (میں تم کو موت دیتا ہوں) سے کیا ہے۔ پھر اپنی طرف سے natural death (فطری موت) کا اضافہ کر کے اس مفہوم کو مزید مؤکد کر دیا ہے۔ حاشیہ (ص:۱۴۲) میں اس پر تعلیق کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے لکھتا ہے:

نوٹ نمبر ۴۲۴ "متوفی"، "توفی" سے نکلا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ "توفی اللہ زیداً" یعنی اللہ تعالیٰ نے زید کی روح قبض کی۔ اس سے مراد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو موت دے دی۔ جب "اللہ" کا نام جملہ کے اندر فاعل واقع ہوتا ہے اور انسان مفعول ہوتا ہے ایسی صورت میں توفی کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ نیند میں یا موت میں اللہ تعالیٰ نے روح قبض کر لی۔ ابن عباس نے "متوفیک" کا ترجمہ "ممیتک" (میں تم کو موت دینے والا ہوں) یعنی "امیتک" (میں تم کو موت دیتا ہوں) کیا ہے۔ زمخشری جو عربی زبان کے بڑے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "معنی متوفیک إنی عاصمک من أن یقتلک الناس وإنی أمتعک أجلاً کاملاً قدرلک وسوف أمیتک موتۃ طبیعیۃ و لن تقتل". (الکشاف)

(متوفیک کے معنی ہوئے میں تم کو اس چیز سے محفوظ رکھنے والا ہوں کہ لوگ تم کو قتل کر سکیں۔ اور میں مکمل متعینہ وقت دیتا ہوں جو تمہارے لئے لکھ دیا گیا

ہے۔ پھر تم کو فطری موت دوں گا اور تمہارا قتل نہیں کیا جائے گا)۔

اس طرح مترجم اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور علماء و محدثین کے اقوال سے استشہاد کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو کافروں نے قتل نہیں کیا ہے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کس نے اس بات کا انکار کیا ہے۔ قرآن نے تو واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ کافروں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وقولهم إنا قتلنا المسيح عيسىٰ ابن مريم رسول اللّٰه وماقتلوه، وما صلبوه. ولكن شبه لهم. وان الذين اختلفوا فيه لفي شكٍ منه. مالهم به علم الّا اتباع الظن وما قتلوه يقيناً". (نساء:۱۵۷)

قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے کہ کفار نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی دی۔ بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور ان جیسے دوسرے آدمی کو قتل کیا گیا۔ اور "ممیتک" کے معنی یہاں پر یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت دے دی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ جب چاہے گا موت دے گا۔ اللہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ قادیانیوں نے زمخشری کے قول سے جو کچھ استدلال کیا ہے بالکل مغالطہ آرائی ہے۔ اس لئے کہ زمخشری نے چند آراء نقل کی ہیں اور بہت سے اقوال کے درمیان ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ متقدمین کا طریقہ ہے کہ صحیح وضعیف اقوال نقل کرتے ہیں اور "قیل" (کہا گیا) کے ذریعہ ان اقوال کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو ضعیف ہیں۔ اور جن کی نیت خراب ہوتی ہے، دل میں کھوٹ ہوتا ہے، وہ صحیح اقوال کو چھوڑ کر ضعیف اقوال کو استدلال کے لئے مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ زمخشری نے "کشاف" کے اندر اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح ہے:

"إذ قال اللّٰه" ظرف "لخير الماكرين" أو "لمكر اللّٰه" "إنى

متوفيك" أى مستوفي أجلك، و معناه إنى عاصمك من أن يقتلك الكفار و مؤخرك إلى أجل كتبته لك و مميتك حتف أنفك لاقتلاً بأيديهم "ورافعك إلى" إلى سمائى مقر ملائكتي. "ومطهرك من الذين كفروا" من سوء جوارهم و خبث صحبتهم".

زمخشری نے جو تفسیر کی ہے بالکل صحیح ہے اور قادیانیوں کے عقائد و مبادیات کی اس سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔ اگر قادیانی مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہوتی "اللہ تعالیٰ اپنے بندہ اور نبی عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور یہود ان کو قتل نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جو فرشتوں کا جائے ٹھکانہ ہے تو ہم کو ان سے کوئی اختلاف نہ ہوتا، لیکن انہوں نے زمخشری کی تفسیر کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور "متوفیک" کے معنی لکھے "میں تم کو موت دیتا ہوں" یہ استدلال بالکل غلط اور باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ زمخشری کا ایک قول ہے۔ وہ لکھتے ہیں "وقيل متوفيك: قابضك من الأرض من توفيت مالي على فلان إذا استوفيته" تعجب کی بات یہ ہے کہ مترجم نے اس قول کو تو تھام لیا باقی دوسرے اقوال ترک کر دیئے، جو فوراً اس قول کے بعد ہیں: "وقيل مميتك في وقتك بعد النزول من السماء ورافعك الآن". (یعنی آسمان سے نازل ہونے کے بعد جب تمہارا وقت آئے گا موت دے دوں گا۔ اب تو میں اٹھا رہا ہوں) خیر! کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو ختم نبوت کا منکر ہوتا ہے اور مدعی نبوت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسا ہی کرتا ہے کہ کتاب کی بعض باتوں پر ایمان رکھے اور ان باتوں کا انکار کر دے جو اس کے عقیدہ و نظریہ کے خلاف ہوں۔

جو لوگ علماء و محدثین کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں کاش وہ امام بخاری نے جو کچھ روایت کی ہے، اس کو تھام لیتے۔ میں یہاں ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔ علامہ

ابن کثیر نے سورہ آل عمران کی تفسیر کے آخر میں (ص:۵۷۸، ج اطبع مصر) لکھتے ہیں:

''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے قیامت سے قبل آخری زمانہ میں آسمان سے زمین پر اترنے اور ان کی دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں مروی احادیث کا ذکر''۔

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ باب ''ذکر انبیاء'' صحیح بخاری میں لکھتے ہیں: نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ــــ حدثنا اسحاق ابن ابراهيم، ثنا يعقوب ابن ابراهيم عن أبى صالح عن ابى شهاب عن سعيد بن المسيب عن أبى هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "والذى نفسى بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا فيكسر الصلب و يقتل الخنزير و يضع الجزية و يفيض المال. حتى لايقبله أحد وحتى تكون السجدة خيراً له من الدنيا وما فيها''.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قریب ہے کہ تم میں ابن مریم منصف حکم بن کر نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے، جزیہ نافذ کریں گے، فراوانی کے ساتھ مال تقسیم کریں گے، یہاں تک کہ کوئی ضرورت مند باقی نہیں رہے گا اور سجدہ ان کے لئے دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ بہترین سرمایہ شمار ہوگا۔)

میں امام بخاری سے مروی ایک ہی حدیث پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اگر قادیانیوں کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ اس حدیث کے اندر ان کے پیشوا غلام احمد قادیانی مراد ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان سے اترنے کے بعد فطری موت ہو چکی ہے تو میں ان سے پوچھنا چاہوں گا: کیا تمہارے پیشوا نے کبھی صلیب توڑی؟ جب کہ دعویٰ نبوت کو ایک صدی سے بھی زیادہ زمانہ گذر چکا ہے۔ اس کی موت بھی ہو چکی ہے اور

اس کے بعد تین اس کے جانشین بھی بن چکے ہیں، پھر دوبارہ میں ان سے پوچھتا ہوں: کیا تمہارے پیشوا نے صلیب توڑی؟ یا اس کو مزید مضبوط و مستحکم کیا اور اس کے سایہ شفقت و عاطفت میں زندگی گذار دی، اور آج تک اس کی اولاد اور اس کے پیروکار صلیبیوں کے سایہ تلے دن کاٹ رہے ہیں؟ کیا اس نے کبھی کسی خنزیر کو مارا؟ یا خود خنزیر خوروں کے دستر خوانوں کا خوشہ چیں ہے؟ کیا کبھی اس نے جزیہ نافذ کیا؟ یا خود اس نے اپنے پیروکاروں کو عیسائیوں کی وفاداری پر آمادہ کیا، اور ان کے جزیہ کو مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی؟ کیا اس کا پوتا اور جانشین وہ نہیں ہے جس نے عیسائیوں کو اپنا ملجا و ماوی بنایا؟ کیا وہ ان میں سے نہیں ہے جو عیسائی حکومت کو اپنا ٹیکس ادا کرتے ہیں؟ کہاں سے اور کس دروازہ سے وہ آسمان پر سے اترا اور مسیح موعود بنا اور کس وعدہ کو اس نے پورا کیا؟

اب ہم اس ترجمہ کی طرف لوٹتے ہیں جس کو مالک غلام فرید نے تیار کیا، بلکہ اس کے امام مرزا بشیر کی تفسیر میں اضافہ کیا۔ ہم نے اس کے طریقہ استدلال کو دیکھا۔ اب ہم نمونہ کے طور پر ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے اس کی علمی سطح کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مدعی نبوت کے بیٹے اور اس کے دوسرے جانشین مرزا بشیر نے آیت "قالوا انما أنت من المسحرين" کا ترجمہ کیا ہے۔ آپ تو وہ ہیں جو کھانا کھلاتا ہے، اس کی تفسیر میں وہ لکھتا ہے: سحر کے معنی ہیں کھلانا، اور جو نبی بھی بھیجا گیا اس کی قوم نے اس پر تہمت لگائی اور کہا گیا: یا تو تو جادو زدہ ہے یا جادوگر، یعنی تو دوسروں کا ایجنٹ ہے اور جس چیز کا تو دعویٰ کرتا ہے وہ تو نہیں ہے بلکہ کوئی دوسری طاقت ہے جہاں سے تجھے امداد ملتی ہے۔ اس طرح کی تہمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی لگ چکی ہے۔ اس طرح آج کی تاریخ میں ہمارے حضرت مرزا پر بھی الزام لگایا جا رہا ہے۔ علماء نما لوگوں کی طرف سے"۔ اس مترجم سے پوچھئے کہ کس ڈکشنری میں اس کو سحر کے

معنی ''کھلانا'' ملے؟ کیا کسی ایجنٹ کے لئے کھلانے اور امداد کرنے کے ایک ہی معنی ہیں؟ اور سیرت کی کس کتاب میں اس نے پڑھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رشوت اور مالی تعاون قبول کرنے کا الزام تھا۔ بجائے اللہ اور آخرت پر ایمان کی دعوت دینے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کے؟

یہ مترجم کیسے فراموش کرسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم فرمایا اور وفد قریش نے دنیاوی جاہ ومنصب کی جو پیش کش کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ورسالت کو اس پر یہ کہتے ہوئے ترجیح دی تھی: ''یاعم لو وضعوا الشمس في یمیني والقمر في شمالي علی أن أترک ھذا الامر ما ترکته حتی یظھرہ اللہ أو أھلک دونه'' الی آخرہ۔ [1]

یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ یہود ونصاریٰ جو اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں، وہ بھی انکار نہیں کرسکتے۔ لیکن اس مدعی کا حال یہ ہے کہ ابلیس کے پاس سے نہ جانے کیا کیا اس کے پاس آتا رہتا ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اشرف الانبیاء ہیں ان کو انگریز کے ایجنٹ سے موازنہ کرنا انتہائی گھٹیا اور شنیع حرکت نہیں ہے؟

کاش! اس قادیانی مترجم کو حیاء وشرم کا کوئی حصہ ملا ہوتا۔ [2] یہ ترجمہ اس قسم کی خرافات سے پٹا پڑا ہے۔ اگر ان واہیات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے۔ اتنے پر میں اکتفاء کرتا ہوں۔ عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

---

(۱) رواہ ابن ہشام: ج۱ص۲۸۵، رواہ البخاری:

(۲) آیات قرآنیہ کی یہ تشریح وتفسیر مجھے پہلے مرزا بشیر احمد کی ''تفسیر صغیر'' کے اندر ملی، رہی بات مالک غلام فرید کے انگریزی ترجمہ کی تو اس نے حاشیہ میں اس پر اکتفاء کی ہے کہ مسحر سے مراد وہ بھی ہے جس کو دوسروں نے کھانا کھلایا ہو: (The word "musahhar" and "mushoor" also mean one fed by others)

سر ظفر اللہ خاں کا ترجمہ

یہ ترجمہ ۱۳۷۱ھ کو، کورزون پریس لندن سے "The Quran" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے: ''وہ ابدی وحی جو محمد خاتم النبیین کو دی گئی''۔ اس کے بعد والی سطر میں ہے: ظفر اللہ خاں کے قلم سے عربی نص کے ساتھ جدید ترجمہ، غلاف کے اندرونی صفحہ کے درمیانی حصہ میں عربی میں ''قرآن مجید'' تحریر ہے۔

قاری کے لئے تعجب کی بات یہ ہے کہ مترجم جو ایک مشہور قادیانی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین سے کیسے موصوف کر رہا ہے اور یہ معلوم ہے کہ قادیانی مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کے کھلے عقائد اور اس وصف کے درمیان انطباق کی کیا صورت ہے۔ جس سے مترجم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موصوف کیا ہے جو کہ اس کے بنیادی عقیدہ کے منافی بھی ہے۔ قادیانیوں نے ''خاتم النبیین'' کی کیا تاویل کی ہے اس کو جاننا ضروری ہے۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ت'' مفتوحہ کے ساتھ خاتم النبیین مان کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں جس کے معنی ہیں وہ مہر جس سے دستاویزات کی تصدیق کی جاتی ہے اور انگریزی میں اس کو seal کہتے ہیں۔ قادیانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ت'' مکسورہ کے ساتھ خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آسمانی نبوت و رسالت کا ایک سلسلہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ مہر (seal) کا کام دستاویزات کی تصدیق کرنا ہے اور (قادیانیوں کے عقیدہ کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والی نبوتوں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور ان نبوتوں میں غلام احمد قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔

قادیانیوں کے دوسرے ترجموں کے بالمقابل یہ ترجمہ اختصار کی بنیاد پر ممتاز

ہے۔(خود اس کے مترجم کے خیال کے مطابق)

بغیر کسی حاشیہ و تعلیق کے نص قرآنی کے سامنے صرف اس کے ترجمہ پر اکتفاء کی ہے اور مترجم نے ترجمہ کے درمیان وضاحت و تشریح کے لئے الفاظ کا استعمال کرنے کی زحمت بھی نہیں کی ہے۔ البتہ ترجمہ کے نام پر جو چاہا لکھ دیا ہے۔ لغات میں الفاظ کے جو معنی آئے ہیں، یا دوسرے انگریزی مترجمین (مثلاً عبداللہ پکتھال یا محمد اسد) نے جو الفاظ منتخب کئے ہیں ان کی رعایت کئے بغیر اپنی طرف سے الفاظ کا انتخاب کر کے نص قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے جس سے کہیں مدلول واضح اور مکمل ہے اور کہیں کہیں ایسا بھی ترجمہ کر دیا ہے کہ جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مثلاً: "فی قلوبھم مرض" (بقرہ:١٠) کا ترجمہ اس نے کیا ہے: In their minds was a disease (یعنی ان کے دماغوں میں ایک بیماری ہے)۔ حرف تنبہ "ألا" کا ترجمہ ایک مکمل جملہ میں کیا ہے: Take note، جس سے واضح ہے کہ اس نے قرآن کے ترجمہ کے اندر دفتری الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اسی طرح "یشعرون" کا ترجمہ کیا ہے: realise اور "واذا خلوا الی شیاطینھم" (بقرہ:١٤) کے ترجمہ میں تو اس نے حد ہی کر دی ہے۔

But when they are in company of their ring leaders

یعنی (لیکن جب وہ اپنے بڑے لیڈروں کی جماعت میں ہوتے ہیں۔)

عربی مفردات کا ایسے غیر مناسب الفاظ سے ترجمہ کرنا جو دوسرے مترجمین اور لغت کے الفاظ سے بالکل مختلف ہوں، اس بات کی دلیل ہے کہ مترجم اپنے قارئین کو قرآن کریم کا ایک عام مفہوم اور ایک عام نظریہ سمجھانا چاہتا ہے جو قرآن کریم کے اندر آئے ہوئے الفاظ کے معنی و مفہوم سے میل نہیں کھاتا۔ مترجم نے اپنے شاذ و نادر آراء کو مقدمہ کے اندر جگہ دی ہے۔ "جنات" کے سلسلہ میں اس کی اپنی

مختلف رائے ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ قادیانی معجزوں کا مکمل انکار کرتے ہیں اور قرآن کریم کے اندر جو بھی معجزہ آیا ہے اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ گذرے ہوئے نبیوں کی کچھ خلاف عادت باتیں ہیں جو اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے وہ پیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ''جنات'' کے ایک مکمل مخلوق ہونے کے سلسلہ میں انکار کرتے ہیں۔ ظفر اللہ خاں لکھتا ہے: کہ جنات ارستقراطی طبقہ کے انسانوں کی ایک قوم کا نام ہے جو عام انسانوں کے ساتھ معاشرت اختیار نہیں کرتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک الگ مخلوق سمجھتی ہے۔ لفظ ''جن'' کے معنی ہیں چھپی ہوئی چیز، یہ اپنے آپ کو ممتاز ومحفوق رکھتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ ان کا اختلاط نہیں ہوتا۔

شیطان کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے ظفر اللہ خاں کا ماننا ہے کہ وہ نفس امارہ (برائی کا حکم دینے والا نفس) کی مجازی تعبیر ہے۔ نبوت کے بارے میں کہتا ہے: خدا کی سنت کا تقاضا بھی تھا اور قرآن کی تاکید بھی کہ اللہ تعالیٰ ہر قوم کی طرف ایک ہادی ورہبر مبعوث فرمائے۔ مترجم نے اپنے مقدمہ کے اندر ان امور پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے مزعومات کو نقل کرنے کے بجائے ان سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ مزعومات ایک خاص سیاسی تجربہ کے تحت ایک مکار وخبیث انسان کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔

تیسری فصل

مسلم اسکالرس کے انگریزی ترجمے

مشتملات:

- مسلمانوں کے ترجموں پر ایک عام نظر
- مسلمانوں کے قلم سے قرآن کریم کے اولین انگریزی ترجمے
- محمد مارماڈیوک پکتھال کا ترجمہ
- سید عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ
- محمد اسد کا ترجمہ
- مولانا عبدالماجد دریابادی کا ترجمہ

مسلمانوں کے ترجموں پر ایک نظر

جو قومیں اسلام سے قریب ہوئی تھیں ان کی زبانوں میں قرآن کریم کو منتقل کرنے میں مسلمانوں نے پہل کی، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی اور قرآن کریم کو کو اپنا رہبر و رہنما تسلیم کرلیا۔ لیکن ان لوگوں نے قرآن کریم کے ترجمہ پر اس کی تعلیم و تعلم کو ترجیح دی۔ اس کی بنیادی تعلیمات کو مشرق و مغرب تک پہنچایا۔ لوگوں کو عربی زبان کے صرف ونحو اور بلاغت کی تعلیم کی طرف آمادہ کیا۔ حدیث وفقہ اور ان کے اصول و مبادیات کی تدریس کا فریضہ انجام دیا اور لوگوں کو حکمت و بصیرت کے ساتھ اللہ کے دین کی طرف دعوت دی۔ ایک طرف تو وہ دعوت الی الاسلام میں مشغول رہے، دوسری طرف ان کے درمیان فقہی اختلافات بھی پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے چاروں مسلکوں کی فقہ پر بڑی بڑی لائبریریاں وجود میں آئیں۔ افکار و آراء کے بہت سے اسکولس پیدا ہو گئے، عوام الناس علماء کے محتاج بن کر رہ گئے۔ ان کی آراء سے رہنمائی حاصل کرتے اور ان کی پیروی کرتے رہے۔ ان کے پاس علماء کے ارشادات کو بغور سماعت کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ صورت حال تقریباً مشرق و مغرب کے ان تمام ممالک کی رہی جہاں کی اکثریت پچھلی صدیوں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

یوروپی کنیسے اور ان کی مشنریاں استعماری حکومتوں کے امداد و تعاون سے دنیا کے اندر مسیحیت کی نشر و اشاعت میں سرگرم ہو گئیں۔ اسلام اس سلسلہ میں سب سے بڑا روڑا ثابت ہوا۔ رنگ ونسل کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان اونچ نیچ جس مذہب کے مبادیات میں داخل ہو، وہ کبھی بھی ایسے انسانیت نواز دین کے سامنے ٹک نہیں سکتا۔ جس کے نزدیک عرب و عجم، گورے اور کالے اور فقیر و امیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جس کا یہ دعویٰ ہے کہ سارے انسان حقوق و فرائض میں برابر ہیں، چنانچہ ایسی صورت حال میں ناممکن تھا کہ انسان ایسی دعوت پر لبیک کہے جس کی بنیاد اونچ نیچ اور

بھید بھاؤ پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اہل کنیسہ نے یہ طے کیا کہ اسلام مخالف جنگ کو اپنے پروگرام میں شامل کیا جائے۔ نتیجتاً ان کے اسکالرس عربی زبان کی تحصیل کے لئے کمربستہ ہوئے تاکہ قرآن کریم کو جان سکیں اور اس کی صحیح شکل کو" اپنی افتراء پردازیوں کے ذریعہ بگاڑ کر پیش کریں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم اور سیرت نبویہ، علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو اپنی دسیسہ کاریوں اور دشنام طرازیوں کا نشانہ بنایا۔ اس کے پیچھے یہ مقصد پوشیدہ تھا کہ لوگوں کو قرآن کریم کی صحیح معرفت سے دور رکھا جائے۔ ان کی یہ منی بر عداوت تحریک تیرہویں صدی کے ضمن میں آ چکی تھی اور ایسا صرف مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اس لئے مسلمان اس زمانہ میں ان سے غافل تھے اور فتنہ خلق قرآن میں الجھے ہوئے تھے جس کے پس پردہ دشمنانِ اسلام کی ذہنیت کام کر رہی تھی۔ مسلمانوں کا ہر فریق اپنے مدمقابل کو مات دینے میں کوشاں تھا اور مسلمانوں کے درمیان یہ صورتحال مستقل چلتی رہی۔ عیسائیوں کا حال یہ تھا کہ خاموشی کے ساتھ اسلام کے مبادیات کی بیخ کنی کے اپنے منصوبہ میں سرگرم تھے۔ عرب کے علاوہ دوسرے ممالک میں کوئی بھی ایسا فرد نہیں تھا جو اپنے علاقہ سے باہر اسلام کی دعوت و تبلیغ کرتا۔ ان کے سامنے سب سے زیادہ اہمیت دین کے اصولوں کی حفاظت تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان زمانوں میں تقلید کا مسئلہ غالب نہ ہوتا تو مسلم جماعتیں بت پرستی کے دلدل میں گم ہو چکی ہوتیں اور کنیسہ کو پورے اہتمام کے ساتھ اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کا موقع ہاتھ آ چکا ہوتا۔ جب بہت سے مسلم ممالک میں یوروپ کا سیاسی اور اقتصادی سکہ رائج ہو گیا اور مسلمانوں نے اہل یوروپ کی زبان سیکھ لی تو ان میں سے بعض اس بات کے لئے فکرمند ہوئے کہ یوروپی زبانوں اور خاص انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کر کے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ ہندوستان کے بہت سے علماء کو توفیق حاصل ہوئی اور انہوں نے قرآن کریم اور سیرت نبی کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لیکن انہوں نے یہ سب کچھ اس وقت کیا

جب ایک زمانہ گذر چکا تھا اور مستشرقین کے ترجموں کو لائبریریوں اور بازاروں میں مقبولیت حاصل ہو چکی تھی اور ہندوستانی علماء و مترجمین کا حال یہ تھا کہ عربی ان کی اپنی زبان تھی نہ انگریزی۔ مزید طرہ یہ کہ ان کی کتابوں کی طباعت اور ان کا اسلوب بھی ایسا نہیں تھا کہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ اس طور پر مسلمانوں کے ترجمے ایک لمبی مدت تک غیر مقبول رہے۔ جب آزادی کی تحریکیں اٹھیں، صورتحال بھی بدل گئی۔ تعلیمی وثقافتی معیار بھی پہلے سے بلند ہوا تو اللہ تعالیٰ نے عبداللہ یوسف علی، پکتھال اور مولانا دریابادی جیسے علماء کو اس عظیم الشان مہم کے لئے منتخب فرمایا۔ پھر ان کے بعد دوسرے علماء اس میدان میں آگے آئے اور دھیرے دھیرے قرآن کریم کا ترجمہ کرنا آسان ہوتا چلا گیا جس کے لئے صرف وقت کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس طرح بہت سے ترجمے منظر عام پر آئے۔ نئے مترجم کو صرف اتنا کام کرنا پڑا کہ چند ترجموں کو سامنے رکھ کر اپنا ترجمہ تیار کر لے۔ چاہے اس کو عربی آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ میں نے اپنے اس مطالعہ کے اندر ایک ایسے شخص کے ترجمہ کا بھی جائزہ پیش کیا ہے جو یقیناً انگریزی زبان کا ایک مقتدر قلم کار ہے لیکن اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ عربی نہیں آتی ہے۔ لیکن اس کا ترجمہ بہت سے ترجموں پر فائق وممتاز ہے۔

قارئین کو محسوس ہوگا کہ کوئی انسان جو کچھ بھی کام انجام دیتا ہے، غلطی سے خالی نہیں ہوسکتا۔ لیکن میرے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ غلطی ایسی نہ ہو جو عقیدہ کے بگاڑ کا سبب ہو۔ یا عقیدہ کے بگاڑ کی دلیل ہو۔ رہا آراء ونظریات کا اختلاف، تو اس کے لئے پوری گنجائش موجود ہے۔ ہمارے اسلاف نے تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، نظریاتی اختلافات کی بہترین دلیل ہے جن کی ابتداء قرآن کریم کی قرأتوں کے اختلاف سے ہوئی۔ پھر تاویل میں اختلافات پائے گئے۔ البتہ ہم اللہ کی حمد وثنا اور شکر و تہلیل کرتے ہیں اس جامع محبت، راسخ ایمان اور صحیح وسالم عقیدہ پر جو اختلافات کے علی الرغم باقی و مستحکم ہے۔ اس کے بعد ہر چیز آسان ہے۔

مسلمانوں کے اوّلین انگریزی ترجمے

۱- پہلا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر عبدالحکیم کے قلم سے ہے جو ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۳ھ کو پٹیالہ، انڈیا سے شائع ہوا۔ مترجم قادیانیوں کے پیروکاروں میں سے تھا۔ پھر نئے سرے سے اسلام کی طرف رجوع کیا۔ وہ اپنے ماہنامہ ''ذکر حکیم'' کے اندر قسطوار قرآن کے ترجمے شائع کیا کرتا تھا۔ پھر بعد میں ان کو دو جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا۔ مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کہتے ہیں کہ ان کو یہ ترجمہ مترجم کے وارثین کے پاس ملا۔ لیکن ان کو اس میں کوئی قابل رشک چیز نہیں ملی۔ البتہ اس ترجمہ کو دوسرے ترجموں پر سبقت ضرور حاصل ہے۔

۲- مرزا ابوالفضل الہ آبادی نے ۱۹۱۱ء مطابق ۱۳۳۰ھ کو الہ آباد سے قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا۔ بعد میں ان کے وارثین نے ۱۹۵۵ء مطابق ۱۳۷۵ھ کو ممبئی سے اس کی دوبارہ اشاعت کی۔ یہ نص قرآنی کے پہلو بہ پہلو انگریزی میں پہلا ترجمہ تھا۔ مختلف الفاظ وتراکیب کے مفہوم پر مختصر تشریحی حاشیہ کا اضافہ بھی ہے۔ رام پور رضا لائبریری میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔
ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی فرانسیسی تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مذکور مرزا نے قرآن کی ترتیب کو بدل کر ترتیب نزول کے حساب سے مرتب کیا ہے۔

۳- ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۴ھ کو ''انجمن ترقی اسلام'' مدراس (جنوبی ہندوستان) سے Holy Quran کے نام پر قرآن کریم کا ایک انگریزی ترجمہ شائع ہوا لیکن اس میں کسی مترجم کا نام مذکور نہیں ہے۔

۴- مرزا حیرت کا ترجمۂ قرآن جو ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۵ھ کو ہندوستان میں شائع ہوا۔

۵- سید حسین بلگرامی ملقب ''عماد الملک'' کا ترجمۂ قرآن، جس میں قرآن کریم کے چند سیپاروں کے ترجمے ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۵ھ کو حیدرآباد سے شائع

ہوئے۔ پورے قرآن کا ترجمہ مکمل نہ ہو سکا۔

۶- بادشاہ حسین کا ترجمۂ قرآن، جو شیعہ امامیہ کے عقائد کے مطابق ہے، ۱۹۳۱ء مطابق ۱۳۵۰ھ کو لکھنؤ (انڈیا) سے شائع ہوا۔

۷- جمعیت قرآن شملہ (انڈیا) کی طرف سے ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ کو قرآن کریم کا ایک ترجمہ شائع ہوا۔ مترجم کا نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے البتہ اس کا مقدمہ ڈاکٹر س.م.ن. جعفری کے قلم سے ہے۔

۸- کراچی میں شائع ہونے والے انگریزی مجلّہ ''یقین'' کے دفتر سے ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۸۰ھ کو قرآن کریم کا ترجمہ منظر عام پر آیا جس کی طباعت بون میں ہوئی تھی۔

۹- ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی کی انگریزی تفسیر بنام A simple commentary of the Holy Quran (قرآن کریم کی ایک عام فہم تفسیر)

یہ تفسیر ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۸۰ھ کو جنوبی افریقہ کے ایک شہر ڈربن سے شائع ہوئی۔ پھر وہاں لوکل افریکانی بولی میں اس کا ترجمہ ہوا۔ اس کی طباعت ''جمعیت متبعین ہادی امین'' کی طرف سے ہوئی۔

۱۰- ''جمعیت متبعین ہادی امین'' نے سید اسماعیل جاردی کا تیار شدہ چند سیپاروں کا ترجمہ شائع کیا۔ سنہ طباعت مذکور نہیں ہے۔

۱۱- ابوبکر خطیب کی مختصر تفسیر، جس کی طباعت اسی جمعیت کی طرف سے ہوئی۔ تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے۔

۱۲- قرآن کریم کی ۲۵ سورتوں کا ترجمہ ''ترجمۂ قرآن'' کے نام سے ۱۹۳۲ء مطابق ۱۳۵۱ھ کو پیرس سے شائع ہوا۔ مترجم کا نام مذکور نہیں ہے۔

۱۳- لکھنؤ کے شیعہ مدرسہ واعظین نے قرآن کریم کی چند منتخب سورتوں کا ترجمہ

عبدالصمد صارم کے ایک طویل مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ جس میں قرآن کی تاریخ وترتیب کا قصہ شیعوں کی روایت کے مطابق ذکر کیا گیا ہے۔

۱۴- کراچی سے شائع ہونے والے انگلش میگزین ''اسلام'' کے دفتر کی طرف سے ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۸۰ھ کو قرآن کی چند سورتوں کا ترجمہ شائع ہوا۔

۱۵- ہاشم امیر علی کے قلم سے قرآن کی گیارہ سورتوں کا ترجمہ بنام ''طلبہ کا قرآن'' ۱۹۶۱ء مطابق ۱۳۸۱ھ کو ممبئی سے شائع ہوا۔

۱۶- پاکستان کی ایک تعلیم یافتہ جماعت نے ہندوستان کے مشہور عالم مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر کا انگریزی ترجمہ کیا۔ آگے اس پر مفصل بحث آرہی ہے۔

۱۷- جماعت اسلامی پاکستان نے علامہ مودودی کی تفسیر کو اردو سے انگریزی میں ترجمہ کرنا شروع کیا ہے۔ علامہ مودودی کی تفسیر اپنے علمی وزن اور قرآنی علوم کی ہمہ گیریت میں مشہور ہے اور خاص کر جن کا تعلق تاریخ اور ان مقامات کے جغرافیہ سے ہے جن کا قرآن کریم کے اندر ذکر آیا ہے اور جن کا تعلق عصر حاضر کے مسائل کے تشفی بخش سائنٹفک حل سے ہے۔ سورہ بقرہ تک ۱۹۶۶ء مطابق ۱۳۸۶ھ کو لاہور سے اس کا ترجمہ شائع ہو چکا تھا۔ کتاب کی اگلی فصل میں تفصیل سے گفتگو آرہی ہے۔

محمد مارماڈیوک پکتھال کا ترجمہ (۱)

M. Marmaduke Pickthall

صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت مسلم کے قلم سے قرآن کریم کا یہ پہلا انگریزی ترجمہ ہے۔ مترجم ایک انگریز ہے۔ دین کے معاملہ میں مترجم کو شدت پسندی اور ترقی پسندی کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ اس دین کی تعلیمات سے مطمئن ہو جانے کے بعد بیت المقدس کے اندر مترجم نے اسلام کو گلے لگایا۔ فلسطین، مصر اور حیدرآباد (انڈیا) کے مسلمانوں کے ساتھ ان کی زندگی گذری۔ عربی زبان اور قرآن کریم کی تعلیم بیت المقدس ہی کے اندر حاصل کی۔ موصوف کی انگریزی معیاری اور بلند تھی اور بڑے ادباء اور اصحاب قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کے علمی اور ادبی نگارشات قلم لندن اور نیویارک کے علمی مجلوں میں شائع ہوتے تھے اسلام قبول کر لینے کے بعد ان کے بعض مسلم احباب نے حوصلہ افزائی کی کہ انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کریں۔ حکومت حیدرآباد نے (یعنی ہندوستان کی مرکزی حکومت کے نفاذ سے قبل) مالی اور علمی دونوں اعتبار سے تعاون کیا اور اس عظیم الشان کام کی تکمیل کے لئے سارے ضروری وسائل فراہم کئے۔

مترجم نے جب ترجمہ مکمل کرلیا تو علماء ازہر کی خدمت میں اس کو نظر ثانی کے لئے پیش کیا۔ علماء ازہر نے وہاں کے ایک استاد جو انگریزی زبان میں مہارت رکھتے تھے، ان کو اس ترجمہ کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

میڈیکل کالج قاہرہ کے پروفیسر محمد احمد غمراوی نے تجزیہ و تطبیق میں ان کا

---

(۱) لندن میں پیدا ہوئے۔ وہاں کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کی اور کیمبرج یونیورسٹی سے صحافت اور انگریزی زبان میں گریجویشن کی سند حاصل کی۔ قاہرہ و فلسطین میں چند سال گذارے پھر Bombay Cronicle کی ادارت کے لئے بمبئی کا قصد کیا۔ سید اکبر حیدری وزیر اعظم حیدرآباد کی دعوت پر حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ ایک لمبا عرصہ وہاں گذارا اور اسی اثناء میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا۔

تعاون کیا اور شیخ الازہر علامہ مصطفیٰ مراغی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ جب مترجم اور علماء ازہر میں سے ان کے معاونین اور صحیح عقیدہ اسلام کے مطابق ترجمہ کی صحت پر مطمئن ہوگئے تو پکتھال نے ترجمہ کو طباعت کے لئے دیا۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ کو لندن سے شائع ہوا۔ ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ کو دوبارہ اس کی اشاعت ہوئی۔ ۱۹۳۱ء مطابق ۱۳۵۰ھ کو نیویارک میں شائع ہوا، ۱۹۳۸ء مطابق ۱۳۵۷ھ کو عربی نص کے ساتھ حیدرآباد میں کسی مطبع نے اس کو چھاپا۔ اب مختلف مغربی ممالک ہندوستان اور پاکستان سے اس کی اشاعت مستقل طور پر ہوتی رہتی ہے۔

مترجم کو جب قرآن کریم کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور اس بات کا احساس ہوا کہ نسق قرآنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے تو انہوں نے اپنے ترجمہ کا نام: The Meaning of the Glorious Koran (معانی قرآن مجید) رکھا۔

ترجمہ وتفسیر قرآن کا اہتمام کرنے والے اسکالرس کا اتفاق ہے کہ زبان کی فصاحت اور انداز بیان کی خوبصورتی کے اعتبار سے محمد پکتھال کے ترجمہ سے بہتر انگریزی میں کوئی ترجمہ منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ اسی طرح عقائد صحیح جو جمہور اہل السنۃ کے نزدیک مقبول ہیں، ان کے بیان میں صحت کا بھرپور التزام کیا گیا ہے۔ اس میں ملائکہ، جن اور معجزات کے انکار کا کوئی شائبہ بھی نہیں ملتا ہے۔ اور مستشرقین جن تحریفات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان میں سے ذرہ برابر کسی تحریف کی بو بھی نہیں محسوس ہوتی۔

مفسر قرآن علامہ عبدالماجد دریابادی رقم طراز ہیں: پکتھال نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم مسلمانوں کو اس لائق بنادیا کہ ہم غیر مسلموں کے سامنے بغیر کسی خوف و تردد کے اللہ کی اس مقدس کتاب کو پیش کرسکیں۔

وسیع معلومات رکھنے والی امریکہ کی مسلم خاتون صاحب قلم مریم جمیلہ کہتی ہیں: میں نے پکتھال کے ترجمہ ہی سے قرآن کریم کے معانی کی حلاوت محسوس کی۔

دوسرے کئی انگریزی ترجمے بھی میری نظر سے گذرے لیکن پکتھال کے ترجمہ میں جو وضاحت اور تفصیل میں نے پائی، دوسرے ترجموں میں نظر نہیں آئی۔

علامہ عبداللہ یوسف علی کہتے ہیں کہ ان کو طباعت سے پہلے ہی پکتھال کا ترجمہ حاصل ہو چکا تھا۔ اپنے ترجمہ قرآن کو تیار کرنے میں اس سے پورا استفادہ کیا۔ پکتھال کے ترجمہ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں معنی و مفہوم بالکل واضح ہیں۔ حاشیہ کے اندر مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ جب مترجم کو کسی نقطہ کی وضاحت کرنے یا کسی مفہوم کو واضح کرنے میں مجبوری پیش آتی ہے تو عام طور پر ابن ہشام کا قول نقل کرتے ہیں اور کبھی تفسیر طبری کی روایت نقل کرتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔

البتہ کچھ نحوی غلطیاں بھی ممکن ہے، قارئین کو نظر آئیں تو یہ انسانی کمزوری کی وجہ سے ہیں جو ہر انسان سے سرزد ہو سکتی ہیں۔ یہ غلطیاں ایسی نہیں ہیں جن کی بنیاد عناد یا بدنیتی پر ہو۔ آئندہ اشاعتوں میں ان کی تصحیح کر دی جا سکتی ہے۔ اس قسم کی غلطیوں کی چند مثالیں مذکور ہیں:

بہر مترجم سے "وما ظلمونا ولكن كانوا أنفسهم يظلمون". (بقرہ:۵۷) میں "ماظلمونا" کے ترجمہ میں غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ معنی ''ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا'' ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب کہ اصل مفہوم ہے ''ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا''۔ اسی طرح " ألا إنهم هم المفسدون". (بقرہ:۱۲) کے ترجمہ کے اندر اس کو جملہ استفہامیہ بنا دیا ہے۔ اس اعتبار سے کہ ''أ'' استفہام کیلئے ہے اور ''لا'' نفی کیلئے۔ کیف ہم کو بھولنا نہیں چاہئیے کہ مترجم نے ہر جگہ صحت کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ لفظ ''اللہ'' کے ترجمہ میں کبھی بھی "God" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس لئے کہ انگریزی میں "God" کا جو مفہوم ہے لفظ ''اللہ'' کے مکمل مفہوم اور اس کی ہمہ جہت معنویت کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔

سید عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ (۱)

۱. پہلی چیز جو قارئین کی توجہ مرکوز کر لیتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ترجمہ آزاد منظوم طرز پر ہے۔ مترجم نے کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی عظمت و جلال، اس کی رعنائی اور اس کے اسلوب و بیان کے جمال و کمال کو قارئین کے سامنے پیش کرے۔

۲. ہر آیت کی تفسیر کو ان مفسرین کے اقوال سے مستند کیا ہے جو جمہور مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ و معترف بہ ہیں۔

۳. ہر سورت کی ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں اس سورت کے تاریخی پس منظر اور شان نزول پر معتمد علیہ تفاسیر کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ اس میں قرآن کریم کے قصوں کو نقل کرنے اور مفسرین کے ناقص اقوال کو جمع کرنے کا

---

(۱) ۱۸۷۲ء کو بمبئی میں ایک بوہرہ خانوادہ میں پیدا ہوئے (بوہرہ تاجروں کے ایک قبیلہ کا لقب ہے جس میں شیعہ، اہل سنت والجماعت اور ہندو سب بستے ہیں۔ موصوف کا تعلق اہل سنت والجماعت سے تھا)۔ آپ کے والد بمبئی کے دیندار تاجروں میں سے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے بچہ کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جب عبداللہ یوسف علی نے قرآن کریم حفظ کر لیا، ان کے والد نے اس مناسبت سے ایک بڑی دعوت کی تاکہ بچہ کے ذہن و دماغ میں قرآن کریم کی اہمیت و عظمت جاگزیں ہو جائے۔ عبداللہ نے قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہوئے اونچی عصری تعلیم حاصل کی۔ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ بچپن ہی میں عربی زبان کے قواعد سیکھ لئے تھے اور اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے۔ سول سروس (Civil Service) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ یہ وہ مقابلہ (Competition) ہے جس پر ہر مالدار آدمی اپنے بچوں کو شریک کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے، اور قسمت والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ عبداللہ یوسف علی نے انگریزی زبان و ادب میں کمال حاصل کیا اور اپنے بہت سے ہم وطنوں پر فائق ہوئے۔ بڑے بڑے مجلوں نے پسندیدگی کے ساتھ ان کے علمی مقالات شائع کئے۔ پھر عبداللہ یوسف علی نے یوروپ کا قصد کیا، لندن میں لمبی مدت تک قیام کیا۔ قرآن سے دائمی شغف کے ساتھ دوسری مقدس کتابوں کے ترجموں سے واقف ہوئے۔ ایک طویل عرصہ تک قرآن کریم کی قدیم و جدید تفسیروں میں منہمک رہے۔ مشرقی یوروپی زبانوں میں قرآن پر جو کچھ لکھا گیا تھا اس کا بھی مطالعہ کیا۔ پھر ہندوستان واپس ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ اسلامیہ کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا اور قرآن کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔

اہتمام کیا ہے۔ پھر ان میں جو صحیح اور راجح اقوال ہیں، اسباب وعلل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا ذکر کیا ہے۔

۴. اس طرح ہر سورت کے شروع میں اس سورت کا خلاصہ، اہم نکتوں کی وضاحت وتشریح کے ساتھ پیش کیا ہے، تاکہ سورت اور اس کے مشتملات کو سمجھنے میں قارئین کے لئے معاون ثابت ہو۔

۵. کامیابی کے ساتھ قرآنی اصطلاحات کی مکمل تشریح کی ہے، اس کے لئے ضرورت ہوئی تو ایک لفظ کی تشریح وتفہیم کے بالمقابل دو دو الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔

اس نقطہ کی مزید وضاحت کے لئے ان کے ترجمہ کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

عمومی طور پر مترجمین نے ''رب العٰلمین'' کے اندر ''رب'' کا ترجمہ "Lord" (مالک) کیا ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری اور برٹینی ڈکشنری میں اس کا استعمال معبود اور مسیح کے لئے بھی ہوا ہے۔ اور جب اس سے ''اللہ'' مراد ہو تو اس کے شروع میں ضمیر متکلم یا حرف نداء کا اضافہ کیا گیا ہے جیسے O Lord یا My Lord، جب اس کی طرف کسی دوسرے اسم کی اضافت کی گئی ہے تو اسی کے مطابق معنی متعین کئے گئے ہیں جیسے Lord of Chamber of Commerce (تجارتی مرکز کا صدر)۔

قرآن کریم کے اندر عربی لفظ ''رب'' کے معنی اس سے زیادہ ہمہ جہت اور وسیع ہیں۔ اس کے معنی ہیں پوری رعایت ونگہداشت کے ساتھ مکمل آزادانہ ملکیت اور کسی چیز کی بتدریج تکمیل، راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

''رب، ربوبیت سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں کسی چیز کی بتدریج پرورش کرتے ہوئے تکمیل کو پہونچانا''۔

قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

''ربوبیت کا مطلب ہے کسی چیز کو درجہ بدرجہ کمال تک پہونچانا''۔

قرطبی کہتے ہیں: رب کے معنی ہیں، اصلاح کرنے والا، تدبیر کرنے والا، اپنے مقام ومنصب پر قائم رہنے والا۔ رب اس کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کی اصلاح کرے اور اس کو مکمل کرے۔ ظاہر بات ہے کہ انگریزی لفظ "Lord" سے ایسے معانی نہیں نکلتے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ یوسف علی نے ''رب'' کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے انگریزی کے دو الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے قارئین کو بڑی حد تک مفہوم کے قریب کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف نے ان دو الفاظ کا انتخاب کیا ہے Sustainer اور Cherisher۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں اول الذکر کے معنی ہیں: .To care kindly, Entertain Fondly, Hold closely (یعنی شفقت کے ساتھ خیال رکھنا اور فراوانی کے ساتھ وسائل زندگی بہم پہونچانا)۔

دوسرے لفظ کے معنی ہیں:

To Take care of kindly entertain fondly, hold closely neccessities.

(یعنی انسانی زندگی کے تمام وسائل، کھانا، پانی اور شفقت ومودت کے ساتھ کفالت کرنا)

مترجم نے عصر حاضر کے لوگوں کو بڑی کامیابی کے ساتھ قرآنی لفظ ''رب'' کی ہمہ جہت معنویت کے قریب کردیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حاشیہ کے اندر وضاحت کردی ہے کہ دونوں انگریزی الفاظ جن معانی پر دلالت کرتے ہیں، لفظ ''رب'' کی معنویت ان سے بھی کہیں زیادہ وسیع اور عمیق ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کو تدریجی طور پر فطری کمال تک پہونچائے اور اس کے کمالات کو اجاگر کرے۔ اس کے ذریعہ مترجم نے ثابت کیا ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے کے لئے ارتقاوتدریج کا نظریہ نیا اور عجیب نہیں ہے، بلکہ قرآن کی پہلی آیت ہی سے اس نظریہ سے واقف ہو جاتا ہے۔

اس ترجمہ کے دوسرے مقامات پر بھی قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ مترجم نے قرآن کے معانی کو سمجھانے کی کماحقہ کوشش کی ہے۔ ترجمہ میں مترجم نے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے جن پر سابقہ مترجمین کی نظر نہیں گئی تھی۔ اس سلسلہ میں موصوف کو حجت ودلیل کا مقام حاصل ہے۔

اس ترجمہ میں چند باتیں ایسی بھی ہیں جو قابل غور ہیں۔ چونکہ یہ ایک آزاد منظوم ترجمہ ہے، جو ایک طرف تو ایک امتیاز کی بات ہے، لیکن دوسرے ناحیہ سے اس کی وجہ سے کچھ نقص بھی پیدا ہو گیا ہے۔ امتیاز اس لئے ہے کہ کوئی بھی قاری جب اس کو پڑھتا ہے، اس کا دل قرآن کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ مزید اس کے مطالعہ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ کوئی مہتم بالشان اور جلیل القدر چیز کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اس کے اندر نقص اس طور پیدا ہوا ہے کہ شعریت کا اہتمام کرنے کی وجہ سے قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کرنے کے بجائے اکثر وبیشتر مقامات پر صرف آیت کا مطلب بیان کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ درج ذیل آیت کے ترجمہ پر غور کیجئے:

"یا أیها الذین آمنوا لاتقولوا راعنا، وقولوا انظرنا واسمعوا". (بقرہ:۱۰۴)

O ye of Faith say not (to the Apostle) words of ambiguous import, but words of respect: And hear to Him.

(اے ایمان والو! مت کہو (رسول سے) نامناسب الفاظ، بلکہ احترام کے الفاظ استعمال کرو اور ان کی بات سنو۔)

ایک دوسری آیت اور اس کا ترجمہ بھی دیکھ لیجئے:

"ان اللّٰه لایستحیی أن یضرب مثلاً مّا بَعُوضَةً فما فوقَها". (بقرہ:۲۶)

ترجمہ:

God disdains not to use the similitude of things: Lowest as well as highest.

(یعنی اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا ہے کہ کسی حقیر سے حقیر چیز کی مثال پیش کرے (جیسا کہ نہیں شرماتا ہے) کہ کسی سب سے عظیم چیز کی مثال پیش کرے۔)

ظاہر ہے کہ مترجم نے صرف آیت کے مفہوم کو اجمالی طور پر بیان کرنے پر اکتفا کی ہے۔قرآن کے ہر ہر لفظ کا خیال نہیں کیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں "راعنا و انظرنا" کے معنی کو حذف کر دیا ہے اور دوسری آیت میں "بعوضۃً فما فوقھا" کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔

اس طرح مترجم نے بعض جگہوں پر جملہ کی ترکیب میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کو اپنے لئے روا رکھا ہے۔ چاہے اس سے معنی ہی بدل جائیں۔

"ذلک الکتاب لاریب فیه". (بقرہ:۲) کے ترجمہ پر غور کیجئے:

This is the Book : In it is Guidance sure without doubt to those who fear God.

(یعنی یہی وہ کتاب ہے جس میں قطعی طور پر بغیر شک کے ہدایت ہے، ان کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں)۔

اس میں یہ نوٹس لینے کی ضرورت ہے کہ مترجم نے "لاریب" کو ہدایت سے جوڑ دیا ہے کہ متقیوں کے لئے ہدایت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔لیکن اصل مفہوم یہ ہے کہ "ذلک الکتاب لاریب فیه" اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ "لاریب" کا تعلق الکتاب سے ہے جو "ھدی للمتقین" (تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے)۔

واضح رہے کہ مترجم سے اس طرح کی غلطیاں عمومی طور پر ہر جگہ سرزد نہیں ہوئی ہیں، بلکہ اس نوع کی ایک آدھ مثال ہی پائی جاتی ہے۔

اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ کو تین جلدوں میں لاہور سے شائع ہوا۔ پھر ۱۹۴۶ء مطابق ۱۳۶۶ھ کو معالی الشیخ عبداللہ سلیمان رحمۃ اللہ کی قیادت میں سعودی وفد کی امریکہ حاضری کی یادگار میں سید خلیل رواف نے اس کی اشاعت کی اس کے بعد ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۳ھ کو رابطہ عالم اسلامی نے اس کو شائع کیا۔ ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳۸۵ھ کے ایڈیشن میں ترجمہ کے اندر تمہیدی کلمات بھی لکھے گئے۔ اخیر میں بیروت سے بائبل کے فینسی اوراق میں ایک جلد کے اندر اس کی طباعت ہوئی۔

استاذ محمد اسد کا ترجمہ

علمی حلقوں میں قرآن کریم کا ایک اور ترجمہ منظر عام پر آیا، جو اپنی مایہ ناز تصانیف کی وجہ سے ایک مشہور نو مسلم نمساوی اسکالر محمد اسد کے قلم سے تھا، جن کو دین اسلام کے قبول کرنے پر فخر بھی تھا اور جن کا اسلام بغیر کسی شک وشبہ کے مسلمانوں کے لئے ایک ہمت وطاقت کا کام دیا۔ اسلامی عقائد کے ایک مقتدر وکیل، دین اسلام کے مبادیات کی طرف دعوت دینے والے ایک پرجوش داعی کی حیثیت سے نامور ہوئے۔ چونکہ آپ نسل وثقافت کے اعتبار سے خالص یوروپی تھے اور انگریزوں کے ساتھ ایک لمبا عرصہ گذارا تھا، چنانچہ انگریزی زبان پر آپ کی قدرت ہر طرح کے شکوک سے ماوراء تھی اور عربی زبان پر بھی غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔ اس لئے کہ عربی زبان کی تحصیل عرب اساتذہ سے کی تھی۔ ایک لمبا زمانہ عربوں اور خاص کر جزیرۃ العرب کے باشندوں کے ساتھ گذارا تھا اور عربی ادب کی روح کو ہضم کرنے کی کوشش کی تھی۔ آپ کی تحریریں اور خاص کر آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''الطریق الی مکۃ'' اس کی بہترین دلیل ہے۔ اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں بھی آپ نے اس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس بات کی توقع کرنا بے کار نہیں ہوگا کہ آپ کا ترجمہ قرآن اسلامی مبادیات کا ایک سچا نمائندہ اور یوروپ کے مولفین اور قرآن کریم کے طالب علموں، چاہے وہ مستشرقین ہوں یا مسلم اسکالرس، ہر ایک کے لئے یکساں طور پر ایک اہم مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔

تینوں حصوں میں سے پہلا حصہ طویل انتظار کے بعد ظہور پذیر ہوا جو سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ توبہ ترجمہ پر مشتمل تھا۔

اس ترجمہ کے منظر عام پر آجانے کی وجہ سے طلبہ کو مسرت ہوئی اور خیر کا فال نکالا۔ اس میں ایک مقدمہ بھی تھا اور ان مراجع کی فہرست بھی جن سے مترجم نے

استفادہ کیا تھا۔ جن میں ائمہ مفسرین، مثلاً بیضاوی، بغوی، زمخشری اور رازی کی کتابیں شامل تھیں۔ اس طرح مستند لغات و معاجم کے ساتھ ساتھ صحاح ستہ اور مسانید کی کتابیں بھی شامل تھیں۔

ترجمہ کے اندر مترجم کی مہارت و گیرائی کا اندازہ ان نکتوں سے ہوتا ہے جن کی وضاحت خود مترجم نے کی ہے اور ہر مترجم کے لئے اپنے ترجمہ میں جن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

۱. مترجم کے لئے ضروری ہے کہ زبان کی ان تبدیلیوں سے واقف ہو جو سرور زمانہ کے ساتھ ساتھ الفاظ اور ان کے مفاہیم پر پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مترجم کسی لفظ کا ترجمہ ایسے مفہوم سے نہیں کرسکتا ہے جو اس کے ذہن میں ایسے زمانہ میں پیدا ہوتا ہے جب کہ اس کا مفہوم مکمل طور پر بدل چکا ہے۔ اگر ایسا کیا تو دوسروں کو مغالطہ میں ڈال دے گا۔ کبھی کبھی اس کی وجہ سے مفہوم بگڑ جاتا ہے اور فی نفسہٖ قرآن کے اندر تحریف پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس بنیاد پر مترجم پر لازم ہے کہ نزول کے وقت آیات قرآنیہ کا جو مفہوم تھا اس سے واقف و باخبر ہو، اور اسی مفہوم کے ساتھ آیت کا ترجمہ کرے۔ عصر حاضر میں ان الفاظ سے جو معانی نکلتے ہیں ان سے ترجمہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔

۲. عربی زبان کی بلاغت ایک ایسا جوہر ہے جو دنیا کی دوسری زبانوں میں مفقود ہے اور بلاغت کا ایک عنصر اختصار یہاں ہے۔ قرآن اپنی بلاغت میں مکمل ایک معجزہ ہے۔ اس طرح اس کا مختصر انداز بیان بھی ایک معجزہ ہے۔ چنانچہ کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ الفاظ کے اندر جو ایجاز مضمر ہے اس کی تحلیل وتشریح کئے بغیر آیات کا ترجمہ کرنے سے، ترجمہ غیر مربوط ہوکر رہ جاتا ہے اور اس سے کوئی مفہوم واضح نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ مترجم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ جن آیات میں ایجاز مضمر ہے ان سے نکلنے والے مفہوم کی تشریح کر

دے تاکہ عبارت کے مفہوم و معنی میں ربط پیدا ہو سکے۔

۳. قرآن کریم کی کچھ مخصوص اصطلاحات ہیں جن کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھتے تھے جنہوں نے بلاواسطہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا درس لیا تھا۔ پھر ان اصطلاحات کے مدلول و مفہوم میں تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی اور ایک خاص مفہوم کی شکل اختیار کر لیا۔ مثلاً لفظ ''اسلام'' کو لے لیجئے جس کے معنی آج محدود ہو گئے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا، اور ''مسلمون'' کا اطلاق اس جماعت پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول تسلیم کر لے۔ لیکن ''اسلام'' کا لفظ آج جس مفہوم پر دلالت کرتا ہے قرآن کریم کے نزول کے وقت اس کا یہ مفہوم نہیں تھا۔ اس کے معنی تھے ''اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا'' اور ''مسلمون'' کا اطلاق اس جماعت پر ہوتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ مسلم تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی قرآن نے کہا ــــــ بأنّا مسلمون'' (آل عمران:۵۲) اسی طرح سارے مترجمین نے ''الکتاب'' کا ترجمہ "Book" کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن نے جب ''ذلک الکتاب'' کہا تو اس سے "Book" مراد نہیں ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر یہ لفظ وحی اور آسمانی اعلان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن نے جب وحی کی طرف اشارہ کیا، اس وقت کوئی کتاب مدون نہیں تھی۔ قرآن کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دہائیوں کے بعد میں ہوئی۔ اور خود وحی کی تکمیل ۲۳ سالوں کی مدت میں ہوئی، تو وحی کے اجزاء کو کتاب کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب ''آسمانی کتابیں'' ہم بولتے ہیں تو اس سے دو دفتوں کے اندر کسی کتاب کا تصور نہیں کرنا چاہئے۔ قرآن کریم نے ثابت کر دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے آسمانی تعلیمات اور اپنی شریعتوں میں تحریف کر

دی تو ان تحریف شدہ تعلیمات کو لفظ ''کتاب'' سے کیسے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ صاف واضح ہے کہ ''کتاب'' کا مطلب وحی اور آسمانی اعلان ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس لفظ کا صحیح انگریزی ترجمہ "Divin Writ" (آسمانی اعلان) ہے۔

استاذ محمد اسد اپنے ترجمہ وتفسیر کے طرز تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قرآن کریم ایک یونٹ اور وحدت ہے جس کا حصہ نہیں لگایا جا سکتا۔ قارئین کے لئے مشکل ہے کہ کسی آیت کو دوسری آیتوں اور سورتوں سے الگ کر کے اس کا مفہوم نکال سکے۔ بقول مفتی محمد عبدہ، قرآن کی سب سے ہمہ جہت اور سب سے باریک تفسیر خود قرآن کریم ہی سے ہو سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ، قرآن کے اندر جو قصے بیان کئے گئے ہیں، وہ قوموں کی معاشرتی صورت حال کی تصویر کشی ہے تا کہ وہ مسلمانوں کے لئے درس نصیحت بن سکیں۔ ان قصوں کا مقصد محض واقعات کو دہرانا اور داستانوں کو بیان کرنا نہیں ہے۔ چنانچہ فن تاریخ کے نقطہ سے ان کو نہیں دیکھا جانا چاہئے۔

مقدمہ کے اندر استاذ محمد اسد نے شیخ محمد عبدہ عبقری شخصیت کی مدح وستائش کی ہے جن کو انہوں نے تفسیر میں اختلاف آراء کو حل کرنے کے لئے اپنا پیشوا اور آئیڈیل بنایا تھا۔

یہ تو محمد اسد کا مقدمہ کا خلاصہ تھا۔

ان کی تفسیر کی ورق گردانی کرنے والوں کے سامنے جو باتیں نمایاں ہوتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا. اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد اسد ایک مترجم مجتہد ہیں۔ تقلیدی انداز میں ترجمہ نہیں کرتے۔ قرآنیات پر جو کچھ بھی لکھا گیا اس سے کہیں زیادہ معلومات کی حامل ہیں۔ وہ ہر لفظ کا موازنہ کرتے ہیں، دقت وباریک بینی کے ساتھ اس کے مفہوم

پرغور کرتے ہیں اور قدیم مفسرین کے مآخذ کی طرف رجوع کرنے کے بعد ہی کسی لفظ کا ترجمہ کرتے ہیں اور دلائل کی بنیاد پر ہی ان سے اختلاف کرتے ہیں۔

۲. اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ ان کی تفسیر کے اندر لغوی تحقیقات ہیں وہ یقیناً بحث و تحقیق کے میدان میں ان کی قابلیت اور بلند معیار کی دلیل ہیں اور قرآنی الفاظ کے ترجمہ میں بھی جمہور مترجمین سے ان کا اختلاف ہوتا ہے۔ تعلیقات کے ضمن میں اپنے انتخاب اور اپنے ترجمہ کی مکمل وضاحت کر دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال دیکھئے: سارے مترجمین نے ''الغیب'' کا ترجمہ Unseen (غیر مرئی) کیا ہے۔ جب کہ اس سے ''الغیب'' کا مکمل مفہوم واضح نہیں ہو پاتا ہے۔ چنانچہ محمد اسد نے اس کے مفہوم اس انداز سے واضح کیا ہے:

Which is beyond the reach of huma perception.

(یعنی جو چیز حواس بشریہ کی رسائی سے ماوریٰ ہے)

یہ تعبیر اگر چہ ایک لفظ کے بالمقابل مکمل جملہ سے ادا کی گئی ہے لیکن حق تو یہ ہے کہ اس سے ''الغیب'' کے مفہوم کا حق ادا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل علم اور تفسیر کے طالب علموں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح جمہور مترجمین نے لفظ ''متقی'' کا ترجمہ "God Fearing" (خوفِ خدا) سے کیا ہے۔ لیکن محمد اسد اس لفظ کی ایک الگ تعبیر انتخاب کرنے میں منفرد نظر آتے ہیں: The God-Conscious (اپنے دل و ضمیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دھیان و خیال کرنا)۔ محمد اسد نے دوسرے مترجمین سے اختلاف کرنے کے اسباب بھی ذکر کر دیئے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے جو راستے اختیار کیے ہیں ان سب میں حق بجانب بھی ہیں۔

ایک دوسری جگہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ترجمہ کے اندر ایک ایسا لفظ

استعمال کیا ہے جس کی نہ کوئی عملی دلیل ہے اور نہ ہی دنیا کی کسی ڈکشنری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ "أنـی قـد جئتکم بآیة من ربکم" (آل عمران:۴۹) کے اندر جو "آیة" لفظ آیا ہے اس کا ترجمہ محمد اسد نے "Message" (پیغام) سے کیا ہے۔ اسی طرح "الطاغوت" کا ترجمہ Forces of Evil (برائی کی طاقتیں) کیا ہے۔

ان کی تفسیر میں کچھ قابل انکار باتیں بھی آ گئی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱. انہوں نے مکمل طور پر سارے معجزات کا انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کی نصرت کے لئے فرشتوں کے نزول کو وہ قرآن کی ایک مجازی تعبیر مانتے ہیں۔ اس سے مراد ان کے نزدیک مسلمانوں کی تقویت اور ان کی حوصلہ افزائی ہے۔ [1]

۲. ان کے نزدیک "التابوت" سے مراد قلب (دل) ہے جہاں سکینت ہوا کرتی ہے۔

۳. معجزات کے انکار نے مترجم کو قرآنی الفاظ کے ایسے بیجا اور نامناسب معنی لانے پر مجبور کر دیا ہے جن کی تائید نہ کلام عرب سے ہوتی ہے اور نہ ہی حلق کے نیچے اترتے ہیں۔ ذیل میں اس قسم کی مثال پیش کی جاتی ہے جس سے معجزات کے سلسلہ میں ان کی رائے مکمل طور پر واضح ہوتا ہے۔

"ورسُولاً الی بنـی اسرائیل، أنِی قدجئتکم بآیةٍ من ربکم أنی أخلق لکـم من الطین کھیئة الطیر فأنفخ فیه فیکون طیراً باذن اللّٰه و أبرئی الأکمه والأبرص وأحیي المـوتـی باذن اللّٰه، وأنبئکم بما تأکلون وماتدّخرون فی بیوتکم انّ فی ذلک لآیةً لکم إن کنتم مؤمنین". (آل عمران:۴۹)

ترجمہ ملاحظہ ہو:

And (will make him) an apostle into the children of Israel: I have come unto you with a

---

(۱) تفصیل کے لئے محمد اسد کی تفسیر ص ۱۱۵، حاشیہ نمبر ۹۲ ملاحظہ کیجئے۔

message from your sustainer. I shall fashion out of clay as it were, the shape of (your) destiny, and then breathe into it so that it might become (your) destiny by God's leave, and I shall heal the blind and the leper, and bring the dead back to life by God's leave and I shall let you know what you may eat and what you should store up in your houses. Behold, in all this there is indeed a message for you, if you are (truly) believers.

''اور (اس کو بناؤں گا) ایک رسول بنی اسرائیل کی طرف: میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک پیغام لے کر آ چکا ہوں، تمہارے لئے مٹی سے ایک ایسی چیز بناؤں گا جس کی ہیئت تمہارے انجام کی طرح ہوگی۔ پھر میں اس میں پھونک ماروں گا تو وہ تمہارا مقدر بن جائے گی۔ اللہ کی اجازت سے۔ اور میں اندھا اور جذامی کو صحیح کر دوں گا اور اللہ کی مرضی سے مردہ کو زندگی کی طرف لوٹا دوں گا اور بتلاؤں گا کہ تم کیا کھا سکتے ہو اور تم کو اپنے گھروں میں کیا جمع کر لینا چاہئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سب کے اندر تمہارے پیغام ہے اگر تم سچ مومن ہو''۔

قبل اس کے کہ مترجم کی تشریح پیش کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زیادتیوں کو واضح کر دوں:

۱. پیچھے گذر چکا کہ مترجم نے لفظ ''آیۃ'' کا ترجمہ قیاس کے خلاف "Message" (پیغام) سے کیا ہے۔

۲. ''أخلق'' کا ترجمہ "I Shall Fashion out of" (عنقریب میں

بناؤں گا یا تصویر گری کروں گا) کیا ہے۔

۳. "الطیر" کا ترجمہ "Destiny" (مقدر یا انجام) کیا ہے۔

۴. مترجم کو معلوم نہیں ہو سکا کہ "الأکمه" سے مراد ایسا اندھا ہے جو پیدائشی طور پر بینائی سے محروم ہوتا ہے۔ دوسرے مترجمین نے اس فرق کو محسوس کیا ہے۔

۵. "ماتأکلون" و "ماتدّخرون" دونوں ایک ہی طرح کے افعال ہیں لیکن مترجم نے معنی کے اندر تصرف کرتے ہوئے "ماتأکلون" کا ترجمہ "What you may eat" (تم کیا کھا سکتے ہو) اور "ماتدّخرون" کا ترجمہ "What you should store up" (تم کیا ذخیرہ کر لینا چاہتے ہو) کیا ہے۔ پہلے فعل سے جواز کا مفہوم واضح ہوتا ہے جب کہ دوسرے فعل سے وجوب کا مفہوم نکلتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے:

"طیر، طائر کی جمع ہے (اڑنے والی مخلوق) اور "طیران" کے معنی میں ایک اسم مصدری ہے جو طار سے مشتق ہے۔ اسلام سے پہلے عربی زبان میں یہ لفظ انجام یا تقدیر کے معنی دیتا تھا اور اسلام کے بعد بھی اس کے یہی معنی ہیں اور قرآن کریم کے اندر اس معنی کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ انجام ایک عام لفظ ہے چاہے اچھے انجام پر دلالت کرے یا برے انجام پر۔ اس کی ایک مثال سورہ اعراف کی اس آیت میں دیکھئے:

"ألا انما طائرُهم عندالله ولکنّ أکثرهم لا یعلمون". (اعراف:۱۳۱)

سورہ اسراء کی آیت میں یہ مفہوم زیادہ واضح ہے:

"وکل انسانٍ ألزمناه طائره فی عنقه". (اسراء:۱۳)

معتمد علیہ لغات میں اس اصطلاح "طیر اور طائر" کے استعمال کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو انگلش عربک ڈکشنری، لین پول Lane، ج۵، ص۱۹۰۴)

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے اپنے مجازی اسلوب میں بنی اسرائیل کو یہ بتلایا کہ عنقریب مٹی سے ان کی خاکسار زندگی کا یہ ڈھانچہ بلند نصیب کا ایک نمایاں مظہر بن جائے گا۔ اور وحی الٰہی کے ذریعہ مکمل ہونے والا یہ مظہر اللہ تعالیٰ کے حکم اور ان کی ایمانی طاقت سے ایک حقیقی امر بن جائے گا (جیسا کہ آیت کے اخیر میں اس کی صراحت ہے)۔ "اِن کنتم مومنین" (اگر تم سب مومن ہو)۔ یہ ماننا درست ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح کے ذریعہ مردہ کا زندہ ہونا نئی زندگی عطا کرنے کے مفہوم و معنی کی ایک مجازی تمثیل ہے۔ اس لئے کہ سارے مردے روح کے اعتبار سے مردہ تھے جیسا کہ "سورہ انعام" میں آیا ہے:

"أو من كان ميتا فأحييناه، وجعلنا له نوراً يمشي به في الناس كمن مثله في الظلمات لليس تجارج منها". (انعام:۱۲۲)

اگر یہ تاویل درست ہو، اور میں اس کی درستی پر اعتماد کرتا ہوں تو اندھا اور جذامی کو شفا دینے میں بھی یہ تمثیلی مفہوم مضمر ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد امراض باطنیہ کے مریضوں کو شفا دینا ہے۔ اس لئے کہ وہ مریض روح کے اعتبار سے مریض اور اندھا تھے اور سچائی نظر نہیں آتی تھی۔ آیت بالا کے تحت محمد اسد کی تفسیر یہاں ختم ہوتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ محمد اسد کے نظریات اور تفسیر و ترجمہ کے طریقہ کی ایک واضح تصویر پیش کرنے کے لئے یہ نمونہ کافی ثابت ہوگا۔

بعض دشمنانِ اسلام، مثلاً قادیانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فطری موت کو ثابت کرنے اور جسمانی اعتبار سے آسمان پر اٹھائے نہ جانے کے نظریہ کی تائید کے لئے محمد اسد کے ترجمہ کا استعمال کیا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی(۱) کی انگریزی تفسیر

ہم نے پیچھے قرآن کریم کے چند انگریزی ترجموں کا تجزیہ پیش کیا، جن میں مترجمین نے محض نص قرآنی کے معانی کو پیش کیا ہے۔ بعض ترجموں کے حواشی میں جو توضیحات ملتی ہیں وہ دراصل ترجمہ کا تکملہ ہیں۔ جہاں جہاں مترجمین آیات کے الفاظ کا دوسرے الفاظ میں معانی کی ادائیگی سے قاصر رہے، حواشی کے اندر ان کی تشریح وتوضیح کر دی ہے۔ عبداللہ یوسف علی اور محمد اسد کی تعلیقات محض اس لئے ہیں کہ تاریخی پس منظر کے ساتھ آیات کا صحیح وکمل مدلول واضح ہو جائے تا کہ بآسانی قاری کے سامنے مفہوم واضح ہو جائے۔ لیکن جب ہم انگریزی میں قرآن کریم کی مکمل تفسیر تلاش کرتے ہیں تو ہندوستان کے جلیل القدر عالم مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ہی ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس تفسیر کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱. جمہور امت کے نزدیک اہل سنت والجماعۃ کے مسلمہ عقائد پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۲. دشمنانِ اسلام کے اوہام وخرافات کے خلاف اسلامی مبادیات کی طرف سے تشفی بخش علمی دفاع کیا گیا ہے۔ اسی طرح شریعت اسلامی کے اصول و قوانین، مثلاً جہاد، غلامی اور تعدد ازدواج کے سلسلہ میں دشمنانِ اسلام کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

۳. قرآنی الفاظ کی لغوی تشریح کے لئے محققین کے نزدیک جو مآخذ معتمد علیہ ہیں

---

(۱) دریابادی (۱۸۹۱-۱۹۷۸ء) نے فلسفہ جدید کی تحصیل کی اور بارکلی لوانسٹائنس کی آراء پر چند تنقیدی کتابیں تصنیف کیں۔ اردو زبان میں آپ کا اپنا ایک منفرد انداز تھا۔ ایک ہفتہ واری جریدہ "صدق" کے نام سے جاری کیا۔

- اہل قلم آپ کے اسلوب کی نقالی کرتے تھے۔
- دینی تعلیم حاصل کی اور عربی زبان وقواعد پر اختصاص کیا۔
- مستشرقین نے قرآن، اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس سے واقف ہوئے۔
- انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں قرآن کی تفسیریں لکھیں۔

ان سے رجوع کیا گیا ہے۔

۴. اختلافی بنیادوں کو چھیڑے بغیر مذاہب اربعہ کے فقہاء کی روشنی میں آیات قرآنیہ سے مستنبط فقہی احکام و مسائل کی تشریح کر دی گئی ہے۔

۵. احکام قرآن اور شریعت اسلامیہ اور دیگر ادیان و مذاہب کے احکام اور رسوم و رواج کے درمیان موازنہ کر کے دیگر مذاہب پر اسلام کی فضیلت و فوقیت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۶. تورات، انجیل اور تلمود وغیرہ کی تفاصیل اور قرآنی قصوں کے درمیان موازنہ کر کے پوری تحقیق و باریک بینی کے ساتھ تناقضات کو نمایاں کر دیا گیا ہے تاکہ قرآن کریم کے اندر جو کچھ بھی آیا ہے اس کی صحت پر دلالت کی جائے۔

۷. آیات کی تفسیر میں تعدد آراء کی بنیاد پر کبار مفسرین کی آراء نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۸. بعض آیات کی تفسیر میں اسلامی فرقوں، مثلاً معتزلہ، مرجیہ وغیرہ کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کی تفصیل بیان کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور اس کی جگہ پر مخلوق، کائنات، مادہ، روح، حیات و موت اور ارتقاء و تدریج کے موجودہ نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اصول قرآن سے جو متعارض ہو اس کی تردید کی گئی ہے۔

۹. پوری دقت و تفصیل کے ساتھ علمی مباحث کے ضمن میں مآخذ و مراجع کے بیان کا التزام کیا گیا ہے۔ البتہ ترجمہ کی زبان قدیم تورات کے ترجموں کی طرح محض تقلیدی ہے۔ چنانچہ پکتھال، ڈاکٹر عبداللطیف حیدرآبادی، آربری اور محمد علی لاہوری کے ترجموں میں جو نثر و ترسل کی حلاوت پائی جاتی ہے یا عبداللہ یوسف علی کے منظوم ترجمہ کی جو رعنائی ہے، دریابادی کے ترجمہ میں قاری کو ایسی کوئی چیز نہیں مل سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایک تنہا ایسی تفسیر ہے جو انگریزی زبان میں اب تک اتنی تفصیل

کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔

اس تفسیر کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۸۲ھ کو مکتبہ تاج لاہور، پاکستان سے عربی رسم الخط کے نص قرآنی کے ساتھ شائع ہوا۔ پھر مشہور عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت [1] میں چلنے والے ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۲) نے مترجمؒ کے اپنے اضافوں اور تنقیحات کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا۔

---

(۱) اس کتاب کی تصنیف کے وقت ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا سید ابوالحسن ندوی تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد اب اس کے ناظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ہیں جو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر بھی ہیں۔ (مترجم)

(۲) اس سے مراد مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ہے جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطے میں سرگرم عمل ہے۔ یہ ادارہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں اس کے ایڈیشن مستقل شائع کر رہا ہے۔ (مترجم)

احمد علی کا ترجمہ

قرآن کریم کے جدید ترجموں میں پروفیسر احمد علی کا ترجمہ بھی شامل ہے جن کا شمار پاکستان کے بڑے مغربی تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ ناولس اور مشرقی نقوش کے انگریزی ترجموں کی وجہ سے انگریزی اصحاب قلم کے حلقوں میں بھی آپ کو شہرت حاصل ہے۔ اشاعت ونشریات کے بڑے اداروں نے آپ کے بہت سے ترجمے شائع کئے ہیں۔ انداز بیان کی رعنائی اور طرز تحریر کی حلاوت وشیرینی کی وجہ سے میں نے دوسرے متعدد جدید ترجموں میں سے اس ترجمہ کو منتخب کیا۔ جب کوئی اس ترجمہ کو پڑھنا شروع کرے تو اس میں ایسا ادبی ذائقہ محسوس کرتا ہے کہ اس کو چھوڑنا مشکل ہے۔

مزید امتیاز یہ ہے کہ مترجم ایک صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت مسلمان ہے۔ دوسرے مترجمین کی طرح یہ کبھی اپنی مخصوص آراء کی وجہ سے قرآن کی بیجا تاویل نہیں کرتے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مترجم عربی زبان سے بھی ناآشنا ہے جیسا کہ مجھے معلوم ہے، لیکن ترجمہ پڑھنے والے کو اس کا اندازہ ہو جائے یہ مشکل ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم اور متعدد ترجموں کا مطالعہ کیا اور ہر آیت اور ہر لفظ کے معنی ومفہوم کو ہضم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اپنے خوبصورت اور طاقتور اسلوب وبیان میں ترجمہ کو ڈھال دیا۔ مجازی تعبیرات اور ہر لفظ کے مکمل مدلول کی بحث وتحقیق میں استاذ گرامی سید حسن مثنی ندوی نے تعاون کیا۔

البتہ اس کے اندر جو غلطیاں ہیں وہ غلط نظریہ اور عقیدہ کی خرابی کے نتیجہ میں نہیں ہیں۔ ایسی غلطیاں تلاش کرنا فضول وعبث ہے جب کہ اس میں بے شمار خوبیاں ہمیں نظر آتی ہیں۔ چونکہ اس نسخہ میں اصل قرآنی نص بھی موجود ہے اس لئے اس کا نام "قرآن" رکھا گیا ہے اور اس کے نیچے "عصری ترجمہ" تحریر ہے۔ غالباً اپنے ترجمہ کو "عصری" اس لئے کہا ہے کہ اس کا اسلوب عصر حاضر کے اسلوب سے ہم آہنگ ہے۔ مترجم نے مخصوص ضمائر اور متعلقات فعل کے ترجمہ کو چھوڑ دیا ہے، جس کو میں ترجمہ کے عیوب میں سے سمجھتا ہوں۔

چوتھی فصل

بعض تفاسیر قرآن کے انگریزی ترجمے

مشتملات:

۱. تفاسیر قرآن کے انگریزی ترجموں پر ایک نظر۔
۲. تفسیر طبری کا انگریزی ترجمہ۔
۳. ترجمان القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد) کا ترجمہ۔
۴. تفہیم القرآن (علامہ مودودی) کا ترجمہ۔
۵. تفسیر عثمانی (مولانا شبیر احمد عثمان) کا ترجمہ۔

تفاسیر قرآن کے انگریزی ترجموں پر ایک نظر

میرے محدود علم کے مطابق تفسیر کا پہلا انگریزی ترجمہ اے این ماتھیو A.N.Matthew کے قلم سے ۱۸۲۳ء کو منظر عام پر آیا جو کہ بنگال کے انگریز گورنر کا ثقافتی مشیر تھا۔ اس نے تفسیر میں جلالین اور حدیث میں مشکاۃ المصابیح کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اور کسی نامعلوم مسلم عالم نے اس سلسلہ میں مترجم کی مدد کی ہے۔

تفسیر کے کسی دوسرے انگریزی ترجمہ کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہے۔ ہاں، اس صدی کی ساتویں دہائی میں اردو تفاسیر کے انگریزی ترجمہ کی ایک سرگرم تحریک سامنے آئی جس نے دوسری تفاسیر کا بھی ترجمہ کیا۔ ایک تو تفسیر طبری ہے، اور دوسری سید قطبؒ کی "فی ظلال القرآن"۔ ان دونوں تفسیروں کا ذکر اگلی سطروں میں آرہا ہے۔

اردو زبان میں قرآن کریم کی جو تفسیریں لکھی گئی ہیں ان کی تعداد تین سو (۳۰۰) تک پہونچتی ہے۔ بعض تفسیریں ایسی ہیں جو کسی خاص فکر وعقیدہ کی ترجمانی کرتی ہیں اور ان کے ایسے پیروکار بھی ہیں جنہوں نے امریکہ اور یوروپ کو جائے مسکن بنایا اور مغربی ممالک میں بسنے والے اپنے ہم عقیدوں اور اہل مغرب کے درمیان اپنے افکار کی تشہیر کی۔ اس طرح جنوبی افریقہ میں ایسی بہت سی تحریکیں بھی سامنے آئیں جو ہندی الاصل ہیں اور ان کے ماننے والے انگریزی داں ہیں۔ ان لوگوں کو بھی خواہش ہوئی کہ اپنے آباء واجداد نے تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے واقف ہوں۔ اس تحریک کا آغاز (میری جانکاری کے مطابق) مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر کے انگریزی ترجمہ سے ہوا جو ہندوستان کے ایک بڑے صاحب قلم ڈاکٹر عبداللطیف حیدرآبادی کے قلم سے تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ بلاواسطہ عربی سے انگریزی میں جو ترجمے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو قابل گرفت ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ترجمہ

ہرگز کبھی بھی قرآن کریم کے اصل متن کے مدلول ومعنیٰ کو اس کی قوت تاثیر اور اس کے جمال ورعنائی کی رعایت کرتے ہوئے اجاگر کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی ترجمہ خود کسی دوسرے ترجمہ کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہوگا اس میں کہاں سے ایسی بات پائی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت میں قرآن اور قاری کے درمیان نہ جانے کتنی دوری پیدا ہوجائے گی۔ لیکن جب ہم ایک دوسرے نقطہء نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ سچ بھی ہے کہ مترجمین اور نشر واشاعت کے ذمہ داروں نے اس تفسیر کے نہج کو متعارف کرنے کی کوشش کی ہے جس کی ان کے آباء واجداد پیروی کرتے تھے۔ البتہ اس فکر کو ہر ایک کے سامنے پیش کرنا درست نہیں ہوسکتا ہے۔ عربی زبان سے انگریزی میں جن تفاسیر کے ترجمے ہوئے ہیں ان کے اسباب وعوامل وہ نہیں ہیں جو ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے ترجموں کے پیچھے مضمر ہیں۔ بہر حال آئندہ صفحات میں ان ترجموں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

وباللہ التوفیق۔

تفسیر طبری کا انگریزی ترجمہ

سویسرا میں شائع ہونے والے مجلّہ "العروة الوثقی" کے ایڈیٹر حکیم عبدالحکیم نے محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر کو انگریزی میں منتقل کرنے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ امام طبری کی رائے مرجع خلائق اور ان کی بات قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ ان علوم وفنون کے جامع تھے جن میں ان کا کوئی معاصر، ان کا ہم پلہ نہیں۔ حافظ قرآن کے ساتھ ساتھ قرآن کی بصیرت بھی اتم درجہ کی تھی۔ احکام قرآن کی پوری معرفت تھی۔ چنانچہ تاریخ اسلامی کے ساتھ امام تفسیر کا بھی مقام ملا۔

ابن خلکان ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کا شمار ائمہ مجتہدین میں تھا۔ کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ مزید روایت کرتے ہیں کہ: شیخ ابواسحاق شیرازی نے طبقہ فقہاء کے مجتہدین کے ضمن میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا ایک مشہور مسلک تھا جس کے ماننے والے جریریہ کہلاتے تھے۔ علماء نے فراخدلانہ انداز میں ان کی مدح وستائش کی ہے اور ان کی تفسیر "**جامع البیان فی تفسیر القرآن**" آج تک ہر مفسر کا اہم مرجع ومأخذ ہے۔ بڑے سائز کے ورق پر تیس جلدوں پر مشتمل یہ عظیم کتاب ماضی قریب تک مفقود تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نجد کے سابق امیر حمود بن عبدالرشید کی لائبریری میں اس کے سارے نسخے دستیاب ہوئے۔ چنانچہ تفسیر ماثور پر ایک مکمل دائرۃ المعارف ہمارے ہاتھوں میں آگیا(۱)۔

استاذ محمد حسین ذھبی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف "**التفسیر والمفسرون**" میں رقم طراز ہیں:

"علماء نے تفسیر ابن جریر پر جو کچھ کہا ہے اگر ہم اس کا تتبع کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ مشرق ومغرب کے سارے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ایک

---

(۱) نولدیکی: تفسیر قرآن میں اسلامی نظریات، ص:۸۶

گراں قیمت کتاب ہے اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہو چکا ہے کہ یہ ایک ایسا مرجع ہے جس سے تفسیر کا کوئی طالب علم مستغنی نہیں ہوسکتا۔ امام سیوطی کہتے ہیں:

''تفسیر طبری ایک جلیل القدر اور عظیم الشان تفسیر ہے۔ اقوال کا ترجیحی پہلو اور اعراب و استنباط کی صورتیں نمایاں طور پر واضح ہیں۔ اس طرح اس کو قدیم تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے۔ (۱)

امام نووی کہتے ہیں:

''پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تفسیر طبری جیسی کوئی تصنیف منظر عام پر نہیں آئی''۔ (۲)

ابو حامد اسفرائینی نے کہا:

''اگر کوئی تفسیر طبری کو حاصل کرنے کے لئے چین کا سفر کرے تو کوئی بڑی بات نہیں ہے''۔ (۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: ''جو تفاسیر لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں ان میں سب سے صحیح، **تفسیر طبری** ہے اس میں مستند روایات کے ساتھ اسلاف کے اقوال کا ذکر ہے۔ اس میں نہ کوئی بدعت ہے اور نہ ہی مقاتل اور کلبی جیسے متہمین بالکذب سے کوئی روایت کی گئی ہے۔ (۴)

صاحب **لسان المیزان** کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

''ابن خزیمہ نے ابن خالویہ سے تفسیر طبری مستعار لی اور چند سالوں کے بعد یہ کہتے ہوئے واپس کیا کہ میں نے شروع سے اخیر تک اس کو غور سے دیکھا، روئے زمین پر ابن جریر سے بڑا اہل علم میں نے نہیں پایا''۔ ذھبی اس پر نوٹ لکھتے ہوئے

(۱-۲) الاتقان فی علوم القرآن۔ ج ۲، ص ۱۹۰

(۳) معجم الآباد، ج ۱۸، ص ۴۲

(۴) فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲، ص ۱۹۲۔ (مقاتل سے ابن تیمیہ کی مراد مقاتل بن سلیمان بن بشیر ہے جو متہم بالکذب تھا)

کہتے ہیں: ''ابن خزیمہ نے اس تفسیر کے وسیع وعمیق بحر علم میں غواصی کرنے کے بعد ہی ایسی شہادت دی ہے''۔

نولدکہ نے ۱۸۶۰ء میں اس تفسیر کی چند عبارتوں کو پڑھنے کے بعد کہا تھا:

''اگر یہ کتاب ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم متاخرین کی تمام تفسیروں سے مستغنی ہوجاتے''۔

یہ مایہ ناز علمی کتاب اب انگریزی زبان میں منتقل کی جارہی ہے تاکہ مغربی اسکالرس کے لئے قرآن کریم کے سلسلہ میں ایک قابل اعتماد مأخذ بن سکے اور مستشرقین وحاقدین اسلام کے سب وشتم کا تشفی بخش ایجابی جواب ثابت ہو۔

اس ہمہ جہت ہمت بلند کے حامل ڈاکٹر عبدالحکیم کا یہ بصیرت افروز کارنامہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو علمی، ثقافتی اور تمدنی میدان کا ایک عظیم الشان کارنامہ کہا جائے جو بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس تفسیر کے ترجمہ کا پہلا حصہ مجھے دیکھنے کو ملا۔ ترجمہ اصل عربی عبارت کے ساتھ ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ اس موقع پر یہ اعتراف لابدی ہے کہ ایسی تفسیر کا ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور ماہرین فن کے علاوہ کسی کے لئے ممکن بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کا مکمل ترجمہ خوبصورتی کے ساتھ منظر عام پر آئے۔

ترجمان القرآن کا انگریزی ترجمہ

ابوالکلام آزاد، ذہانت، قوت حافظہ اور علم کی بلندی میں یگانۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے۔ سامعین و قارئین کو متأثر کرنے میں انکو اپنے معاصرین پر فوقیت حاصل تھی، جب کہ وہ بیس کی دہائیوں میں تھے، اور ہندوستان میں شعروادب اور علم وثقافت کی زبان اردو میں اپنی خطابت کا لوہا منوا چکے تھے۔ ان کی تقریر دلپذیر کی بلاغت وسحر انگیزی کی وجہ سے لوگ ان کی عبارتوں کو دہرایا کرتے تھے۔ ان کی تحریریں بھی کچھ اس طرز کی تھیں کہ فکروں اور جذبات کو برانگیختہ کردے۔ انہوں نے فرنگیوں سے جنگ مول لی چنانچہ خود ان کے ملک میں فرنگیوں نے ان کی زندگی دوبھر کردی۔ جیل کے ایک دروازہ سے نکلتے اور دوسرے دروازہ سے داخل کردیئے جاتے تھے۔ پھر ۱۹۲۹ء کورانچی کے جیل میں ان کو مقید کردیا گیا۔ چنانچہ اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنے حافظہ اور اپنی ذہانت پر اعتماد کر کے قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کردی۔ سورہ فاتحہ سے شروع کر کے سورہ کہف تک پہونچنے بھی نہ پائے تھے کہ رہا ہو گئے اور ایک پرجوش سیاسی لیڈر بن کر میدان کارزار میں کود پڑے اور مسلمانوں کو اپنی سحر انگیز تحریروں کا مسحور بنا کر مشہور ہندو لیڈر مہاتما گاندھی اور کانگریس کے ساتھ برطانوی سامراجیت کے خلاف جنگ لڑنے میں اپنی تمام صلاحیتیں مرکوز کردیں۔ پھر ایک عرصہ کے لئے تفسیری تصنیف وتالیف کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان آزاد ہوا اور پاکستان ایک مستقل ملک کی حیثیت سے اس سے الگ ہو گیا۔ جواہر لال نہرو نے مولانا کو وزارت کا ممبر بنایا بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وزارت جھک کر ان کے (مولانا کے) قدموں میں آئی اور حکومت ہند میں وزارت تعلیم کی کرسی ان کو ملی۔ بہر حال ایک عرصہ کے لئے ہندوستانی مسلمان مولانا آزاد سے محروم رہے۔

ان کی تفسیر کی کچھ ایسی خوبیاں ہیں جو قابل رشک ہیں۔ البتہ غلطیوں سے خالی

بھی نہیں ہے۔ان کی تفسیر کا امتیاز دیکھنا ہوتو سورہ فاتحہ کی ابتدائی چار آیتوں کی تفسیر دیکھ لیجئے۔ خلق، ربوبیت اور رحمت کی مولانا نے ایسی انوکھی تفسیر کی ہے جو دوسری تفسیروں میں نہیں ملتی ہے۔البتہ "اِھدنا الصراط المستقیم" کے اندر **صراط مستقیم** کی تفسیر میں مولانا کا قلم پھسل گیا ہے۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہدایت کے راستے متنوع اور بہت سے ہیں اور اسلام اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ان راستوں میں سے محض ایک راستہ ہے۔ مسلم علماء نے اس رائے کو مولانا پر تھوپتے ہوئے کہا کہ یہ ایک نہایت ہی شنیع لغزش ہے جو ان سے سرزد ہوئی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ مولانا بغیر کسی سب وشتم کے مطعون ہو گئے اور ایک طویل عرصہ تک ناقدوں اور مولانا کے مؤیدین کے درمیان یہ بحث چلتی رہی اور یہ نوٹس لی گئی کہ تفسیر کرتے ہوئے مولانا نے برجستگی میں کچھ ایسی باتیں کہہ دی ہیں جو حقیقت کے خلاف ہیں۔ ان کے طاقتور اور سحر انگیز انداز بیان کے پس پردہ بہت سی غلطیاں چھپ کر رہ گئیں اور لوگوں کو ایک زمانہ کے بعد ہی معلوم ہو سکیں۔

یہاں اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور سورہ یوسف پر مولانا نے جو علمی بحث کی ہے وہ یقیناً نہایت ہی دلکش ہے، انداز بیان بھی خوب ہے۔استدلالی اعتبار سے بھی قوی اور ٹھوس ہے۔ حیدرآباد کی کسی قابل شخصیت نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا ہے جن کی انگریزی بڑی اچھی تھی، لیکن اس کے باوجود اس ترجمہ کو شہرت نہیں حاصل ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے پیچھے کوئی مدرسہ فکر نہیں رہا جو اس کی اشاعت کا کام انجام دیتا۔ اسی طرح مولانا آزاد کے مؤیدین اور چاہنے والے بھی کم ہوتے چلے گئے۔ البتہ بڑی لائبریریوں میں اس ترجمہ کے نسخے موجود ہیں اور اہل علم استفادہ کر رہے ہیں۔

علامہ مودودی کی تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ

علامہ مودودیؒ نے پانچ جلدوں میں اردو زبان میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی کئی علاقائی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقوں میں اس کا مطالعہ عام ہے اور بار بار اس کے ایڈیشن بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس تفسیر کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱. اردو داں طبقوں میں مودودی کا جانا پہچانا انداز تحریر نہایت شستہ، سلیس اور آسان ہے۔ اس میں کوئی غموض یا ابہام نہیں ہے۔

۲. لفظی ترجمہ سے صرف نظر، نص قرآنی کے معانی و مفاہیم کا التزام کرتے ہوئے تفسیری ترجمہ کیا گیا ہے۔ انداز بیان ایسا پر کشش ہے کہ دلوں کو نرم کر دے اور جذبات و احساسات میں جھرجھری پیدا کر دے۔

۳. ہر سورت کی ابتداء میں اپنی تمہیدی گفتگو میں مفسر نے ان معاشرتی چپقلشوں اور نفسیاتی مسائل و مشکلات کو بیان کیا ہے جن سے مسلم معاشرہ اس سورت کے نزول کے وقت دو چار تھا۔ اس سے قاری کے سامنے قرآن کا مکمل مدلول بھی واضح ہوتا ہے اور اس کی فکر سے ان شکوک و شبہات کا ازالہ بھی ہوتا ہے، جو اسلام، قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت پر سب وشتم کرنے والے پیدا کرتے رہتے ہیں۔

۴. مفسر نے ملحدین کا جواب، جدل و مناظرہ کے طریقہ کے بجائے تشفی بخش ایجابی انداز میں دینے کا مکمل اہتمام کیا ہے۔

۵. قرآن کریم کے اندر جن مقامات کا تذکرہ آیا ہے ان کو نقشوں اور تاریخی تفصیلوں کے ذریعہ بڑی دقت و باریک بینی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ان کی تفسیر میں کچھ باتیں قابل مؤاخذہ بھی ہیں۔ چونکہ وہ جماعت اسلامی جو ایک جہادی جماعت ہے اس کے بانی تھے اور اس جماعت کی بنیاد یہ ہے کہ روئے زمین پر مادی غلبہ پانے کے لئے جہاد کی دعوت دی جائے۔ انہوں نے جو کچھ کیا اور جو کچھ لکھا، ہر جگہ یہ فکر غالب ہے۔ اسی طرح تفسیر کے اندر بھی سیاسی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ معلوم ہے کہ وہ ایک سیاسی پارٹی کے مرشد و بانی تھے۔ چنانچہ ان کے کچھ انصار و مؤیدین بھی تھے اور دوسری طرف کچھ مدمقابل اور حریف بھی، اور ہر ایک اپنے میں خوش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر، ان کے مؤیدین کے لئے تو مثال و آئیڈیل ثابت ہوئی، لیکن ان کے مخالفین نے اس کو گمراہی و تاریکی کو ہوا دینے کا سبب سمجھا۔ ان کے مخالفین نے جب ان کی تفسیر کو تنقید کا نشانہ بنایا تو اچھی باتیں بھی اچھی نہ لگیں۔ اور پوری تفسیر کا انکار کر بیٹھے۔ بعض غلو پسندوں نے اس دشمنی میں کئی کئی جلدیں لکھ ڈالیں۔ لیکن حق بات تو یہ ہے کہ اس تفسیر کے اندر کوئی بھی ایسی بات نہیں ہے جو قدیم مفسرین سے تعارض کرتی ہو۔ ان کے بعض ایسے نظریات جو دوسروں سے مختلف ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان سے عقید و معاملہ میں بگاڑ آئے۔ ہم تو علماء کے مابین اختلافات کو پڑھنے کے عادی ہیں۔ مودودی نے نہ کوئی بدعت ایجاد کی ہے اور نہ ہی کوئی فتنہ بھڑکایا ہے۔ البتہ یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی تفسیر لغزشوں اور غلطیوں سے پاک ہے۔

علامہ مودودی نے ۱۹۴۲ء کو یہ تفسیر لکھنی شروع کی اور ۱۹۴۹ء کو مکمل ہوئی جب کہ وہ رد قادیانیت (جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے) کے مسئلہ میں حکومت پاکستان کی طرف سے جیل میں قید تھے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ماہرین کے قلم سے ہے، مثلاً ڈاکٹر ظفر اسحاق پروفیسر دراسات اسلامیہ جامعہ اسلامیہ عالمیہ (اسلام آباد)، جو ایک مقتدر صاحب قلم اور ممتاز عالم ہیں۔ اس ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ کہیں سے ترجمہ کی بو نہیں آتی ہے۔ اگر اصل تفسیر انگریزی میں ہوتی تو اس ترجمہ سے بہتر نہیں ہوتی۔

تفسیر عثمانی کا انگریزی ترجمہ

دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر عالم کے قلم سے قرآن کریم کی یہ ایک مختصر تفسیر ہے۔

مفسر قرآن مولانا شبیر عثمانی کا شمار دارالعلوم دیوبند کے جید علماء و مشائخ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے صحیح مسلم کی بھی ایک شرح لکھی ہے۔ یہ تفسیر دراصل شیخ عبدالقادر دہلوی کے اردو ترجمۂ قرآن کی شرح ہے جو اردو اور علاقائی ہندی سے مخلوط تھا۔ لیکن اس ترجمہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے زمانہ کے ایک نابغۂ روزگار علامہ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ اس ترجمہ کی اہمیت بجز اس کے کوئی نہیں جان سکتا جس نے اپنی پوری زندگی تفاسیر کے مطالعہ میں اس نیت سے گذاری ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر اس کے معانی کی حقیقت کھول دے۔

لیکن اس اہمیت کے باوجود ضرورت تھی کہ ہندی اصطلاحات کی تشریح کی جائے تا کہ ترجمہ سمجھ میں آ سکے اور اس کی اہمیت بھی دوبالا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کو منتخب فرمایا جو تحریک آزادی کی قیادت کی پاداش میں انگریزوں کی طرف سے مالٹہ کے جیل میں کئی سال قید رہے۔ شیخ علم و تقویٰ میں ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ چنانچہ قید و بند کے اس زمانہ کو غنیمت جانا اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے مخلوط اردو ترجمہ کو نظر ثانی کر کے معاصر عام فہم اور آسان زبان میں ڈھالنے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ پھر ان کے شاگرد رشید محدث جلیل مولانا شبیر احمد عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر لکھنے کی سعادت بخشی۔ انہوں نے مشہور تفسیروں اور خاص کر علامہ آلوسی کی تفسیر **روح المعانی** سے استفادہ کیا۔ ان کے تفسیری جہد مسلسل سے مفہوم و معنی بہت ہی پر کشش اور خوبصورت ہوتے چلے گئے۔ اشعار کے مناسب استعمال نے قاری کے اندر ابدی و لازوال وحی الٰہی کی ایسی

محبت بھر دی کہ اس کے بعد قرآن کریم کے بلند معانی، بلیغ حکمتوں اور مسرت آگیں بشارتوں کے سلسلہ میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے۔ اس تفسیر کی ہندوستان، پاکستان اور افغانستان میں بڑے پیانہ پر اشاعت ہوئی۔ افغانی فارسی میں اس کا ترجمہ ہوا۔ بالآخر مفسر کے ایک عزیز جناب اشفاق احمد صاحب (M.Sc./M.A.) نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ کا معیار ہندوستان اور جنوبی افریقہ میں رہنے والے مسلمانوں کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ ہندوستان کے علماء چند الفاظ کو بار بار دہراتے ہیں، ان کو ہو بہو ویسا ہی استعمال کیا ہے جس طرح عربی زبان میں مستعمل ہیں۔ امید ہے کہ ان ممالک کے مسلمان اس ترجمہ کو ایک قیمتی تحفہ کے طور پر قبول کریں گے تا کہ علماء کے طریقہ پر چلنے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکے۔



مراجع

۱- قرآن کریم

۲- اقرب الموارد

۳- بلاغۃ القرآن الکریم — محمد خضر حسین تونسی ۱۹۷۱ء

۴- تحت رایۃ القرآن — مصطفیٰ صادق الرافعی مصر ۱۹۲۶ء

۵- تفسیر القرآن الکریم — ابن کثیر (آفسیٹ لبنان)

۶- التفسیر والمفسرون — محمد حسین ذھبی مصر ۱۹۵۲ء

۷- ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن — رمانی، خطابی، جرجانی، تحقیق محمد خلف اللہ (دار المعارف، مصر)

۸- دراسۃ حول ترجمۃ معانی القرآن الکریم — ڈاکٹر احمد ابراہیم مھنا (دار الشعب قاہرہ)

۹- علی مائدۃ القرآن مع المفسرین والکتاب — احمد محمد جمال (دار الفکر، بیروت ۱۹۷۴ء)

۱۰- قاموس الفاظ القرآن الکریم — ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (دار الشروق، جدہ)

۱۱- الکشاف — زمخشری (بیروت، آفسیٹ ۱۹۸۰ء)

۱۲- المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم — محمد فؤاد عبدالباقی (دار الفکر، بیروت ۱۹۸۷ء)

۱۳- المذاہب الاسلامیۃ فی التفسیر — نولدکہ (دار الطباعۃ والنشر، بیروت ۱۹۵۸ء

۱۴- مجمع بحار الانوار — علامہ محدث محمد طاہر پٹنی (حیدر آباد ۱۹۶۷ء)

۱۵- المستشرقون — نجیب عفیفی (مصر ۱۹۵۰ء)